حدیث

محمد اظہر مدنی

خیر خواھی

عن تميم داری رضی الله عنه ان النبی صلی الله عليه وسلم قال: الدين النصيحة ثلاثا، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ورسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم (صحیح مسلم)

تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار کہی۔ ہم نے پوچھا: کس کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لئے، اس کے کتاب کے لئے۔ مسلمانوں کے لئے اور عام لوگوں کے لئے۔''
(اس حدیث کو صحیح مسلم نے روایت کیا ہے)

دیگر احادیث میں بھی خیر خواہی کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی متعدد آیات میں نیکی کرنے اور نیکی کا حکم دینے کو خیر خواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اپنی اولاد کو اور خود کو جہنم کی آگ سے بچانے کا حکم بندوں سے اللہ کی خیر خواہی کی دلیل ہے۔

اس دنیا میں جو بھی انسان پیدا ہوا ہے اس کی زندگی کا ایک مقصد ہے اور ہوش سنبھالنے کے بعد ہر انسان کو اپنے مقصد حیات کا علم ہونا چاہیے۔ ویسے بھی شعور کے بعد انسان کے ذہن ودماغ میں یہ بات آتی رہتی ہے کہ وہ کیوں پیدا ہوا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے ہمارا کیا تعلق ہونا چاہیے، اسی طرح جس نے پیدا کیا ہے اس کا شکریہ کیسے ادا کیا جائے؟ انسان کی پیدائش کا مقصد ان ہی تمام سوالوں اور من میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب ہے۔ قرآن نے ایک جگہ فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورہ ذاریات: ۵۶) قرآن کی اس آیت سے انسان کی زندگی کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ کے حکم کی پیروی سے بندہ ایک سسٹم کا پابند ہو جاتا ہے عبادت انسان کو سسٹم کا پابند بناتی ہے۔ اذان وقت پر ہوتی ہے۔ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ ان سب احکام پر عمل آوری وقت کی پابندی سے ہوتی ہے اور یہ اللہ کا شکریہ ادا کرنے کا اور اس کی خیر خواہی کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ نبیؐ نے ہمیں جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق زندگی گزاری جائے، انھوں نے عبادت کرنے، سماج ومعاشرہ میں رہنے، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے، ماں باپ کے حقوق کو سمجھنے اور ان کو ادا کرنے، بچوں کے حقوق کی ادائیگی، مال خرچ کرنے، روزہ رکھنے اور دیگر مسائل زندگی کے بارے میں جو تعلیمات دی ہیں ان کی پابندی کا نام رسولؐ سے خیر خواہی ہے۔

مسلمانوں کے ائمہ وامراء کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ شرعی احکامات میں ان کی اطاعت کی جائے، شرعی معاملات میں ان کا تعاون کیا جائے، ان سے رہنمائی حاصل کی جائے، اپنے آپ کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے سمع وطاعت کا پابند بنایا جائے اور عام لوگوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے نفع ونقصان کا خیال رکھا جائے، سماج کے لاچار اور بے سہارا لوگوں کی تعمیر وترقی کے لئے کام کیا جائے اور اسی طرح سے ان کی زندگی کے جو دوسرے ضروری مسائل ہیں ان کا ازالے اور حل کے لئے کوشش کی جائے۔ اس وقت ہماری کمیونٹی کئی اعتبار سے پسماندگی کی شکار ہے جن کے ازالہ کے لئے ہر سطح اور ہر اعتبار سے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر انسان کے ساتھ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، راجا ہو یا پرجا، کے ساتھ خیر خواہی کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ وصلی اللہ علی النبی

☆☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہٰ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
وہ سب کچھ جانتا ہے	۶
مختلف مذاہب کے درمیان بڑھتی خلیج	۱۰
قرآنی آیات کی شارح احادیث	۱۴
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق	۱۷
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وجوب اور اس کے مظاہر	۱۹
عذاب قبر کی حقیقت	۲۳
ترتیب قرآن اور سورہ فاتحہ	۲۸
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۱
جماعتی خبریں	۹
کلینڈر ۲۰۲۴ء	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک
سالانہ ______ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ______ ۷/روپے
پاکستان ______ ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

ابو مصلح الکریمی

جوشِ انتقام یا قتلِ عام

انتقام جب خوں آشام ہوجائے اور یہ خوں آشامی وخونریزی اگر دنیا کی سب سے مظلوم قوم کے عوام اور غریبوں کے خلاف ہونے لگے تو یہ ظلم وتعدی اور عدوان وسرکشی کی بے مثال مگر بدترین تاریخ بن جاتی ہے۔ اس کی قباحت وشناعت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب عوام کا قتل عام شروع ہوجاتا ہے، بستیاں اجاڑی ہی نہیں، زمین بوس کردی جاتی ہیں اور وطن اور گھر بار کے انخلاء کے اعلان کے ساتھ ہی نکلنے کے راستے مسدود کردیئے جاتے ہیں، بجلی پانی اور خوراک مکمل طور پر روک دی جاتی ہے۔ انسان لب دریا رہتے ہوئے بھی پانی کے قطرہ قطرہ کا محتاج ہوجاتا ہے، بچے پانی کی بوندوں کے لئے ترس جاتے ہیں حتی کہ بیمار وزخمی بچے، بوڑھے اور صنف نازک جانکنی کے وقت بھی ایک گھونٹ پانی سے بھی محروم رہتے ہیں اور تیماردار واہل خانہ بے بسی کے آنسو بہاتے ہوئے حسرت ویاس کا پتلا بنے نظر آتے ہیں۔ یہ کونسی انتقام کی آگ ہے جو معصوم بچوں، بے گناہ عورتوں اور لاچار بوڑھوں کی منٹوں اور سکنڈوں میں ملبوں کے نیچے ہی قبر بنادیتی ہے؟ اجتماعی، عشوائی اور اندھا دھند قتل کی ایسی داستان افسانہ وناول نگاروں، قلم کے دھنی انشاء پردازوں، داستان سراؤں اور سنسنی پھیلانے اور فرضی کہانیاں گھڑنے والوں کو بھی نہیں سوجھی ہوگی۔ ایسی خونچکاں داستانیں شاید کبھی دہرائی نہ گئی ہوں۔ محبوسیت، محصوریت اور مسجونیت کے عالم میں مقہوریت اور مظلومیت کی کہیں بھی ایسی نظیر ملنی مشکل ہے کہ جس میں لاکھوں انسانوں کو قید وبند اور سلاسل واغلال کے ساتھ اجتماعی عقاب وعذاب سے دوچار کیا گیا ہو۔ اتنی بڑی آبادی اور اجتماع کو اس طور پر جہنم کدہ میں تبدیل کرکے ”نار موصدہ“ والی کیفیت اور صورت بنادی جائے اور اوپر سے دوزخی انگارے بھی مسلسل گنوں اور بموں سے گرادیے جائیں جن سے فضا سے لے کر زمین تک کثافتوں، بھیانک آلودگیوں اور زہریلے اور مسموم جھکڑوں کے بادل چھا جائیں۔ ماحول گھنی اور تاریک راتوں میں تبدیل ہوجائے اور اس تاریک ترین ماحول میں آہیں، کراہیں اور چیخ وپکار بھی دم گھٹنے اور حبس شدید کی پاداش میں بے ہوشی اور اجتماعی موت پیش آنے کی وجہ سے بالکل شہر خموشاں کا سماں پیش کرے۔ سنا تھا کہ اس ترقی یافتہ دنیا سے پہلے غیر مہذب اقوام ماقبل التاریخ بھی شام ہوتے ہی جنگ وجدال اور قتال ونضال بند کردیتی تھیں۔ تیر وتفنگ کے تبادلے آٹومیٹک بند ہوجاتے تھے۔ سخت سے سخت

معرکہ کے وقت بھی ہوائی فائرنگ نہیں ہوتی تھی۔ آبادیوں کو نشانہ نہیں بنایا جاتا تھا۔ عبادت گاہیں محفوظ رہتی تھیں۔ اس کے پروہت وپجاری اور عابد وساجد مامون ومکنون رہتے تھے۔ عورتوں پر نگاہ غلط انداز اور ان کی عزت وناموس پر دست درازی کا تصور نہ تھا، چہ جائیکہ اس جاہلی دور کے جنگجو، وحشی وبربری اور راونی وفرعونی عورتوں کو قتل کریں۔ وہاں بھی لڑکوں کو قتل کرنے کے آڈر کے ساتھ عورتوں کو خصوصی طور پر زندہ رکھنے کا اعلان تھا۔ وہ قتل بھی کسی خاص اندیشے اور خوف ودہشت کے خاتمہ کے لئے تھا، نہ کہ اجتماعی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے اور جوش انتقام میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے، اور نہ ہی انتقام کی آگ میں بھرے پڑے شہر اور آبادی کو بھسم کردینے کے لئے۔

آہ! آج فرعون وہامان کی روحیں بھی ان درندوں کے آگے شرم سے آب آب ہورہی ہیں۔ ابلیس اور اس کے جنود اور لاؤلشکر بھی اس سبعیت اور بہیمیت ودرندگی پر سر پیٹ رہے ہیں کہ عورتیں بھی قتل عام کا شکار ہورہی ہیں۔ ہٹلر آج زہریلی ہنسی ہنسنے پر مجبور ہے کہ اسے قاتل یہود اور ڈکٹیٹر کا خطاب کیوں دیا گیا اور وہ تمام اقوام بشمول مسلم قوم آج یقیناً عالم ارواح میں انتہائی تاسف وتحیر اور ندامت کا شکار ہوں گی کہ یہود کو مظلوم، ہٹلر کو ظالم، بنی اسرائیل کو مہاجر اور عالم سے مطرود اور مردود کیوں قرار دیا گیا۔ جنگل راج اور راکششوں اور ابلیسوں کو کیوں کوسا جاتا ہے۔ قانون وعدالت داخلی وخارجی اور قومی وبین الاقوامی سطح پر کچھ بھی اس مہذب دنیا کے پاس نہیں ہے۔ اس کی وجہ افتخار کیا یہی سفک ودمار اور طوفان بلاخیز ہے۔ سنا تو یہ تھا کہ ایمان واخلاق اور انسانیت سے عاری انسان بھی جوش انتقام کے پہلے مرحلے میں اودھم مچاکر، زیادہ سے زیادہ جوش غضب میں مجرم شخص کا خون بہاکر، بدلہ لے کر اور جیسے کو تیسا کرکے غصہ ٹھنڈا کرلیتا ہے۔ مگر مسلسل گھنٹوں ہی نہیں، ہفتوں نہیں مہینوں اور سالہا سال تک کسی قوم کو اجتماعی اور مسلسل قتل وغارت گری کا شکار نہیں بناتا ہے۔ فرعون کے ظلم وزیادتی اور کفر وطغیان کا چرچہ آج بھی ہے۔ اس نے ایک قبطی اور فرعونی کو قتل کردینے پر پنچایت بلاڈالی۔ انتہائی ہیجانی کیفیت تھی، شورش برپا ہونے کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ قوم فرعون کا ہر آدمی جوش انتقام سے بپھرا ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی غالب قوم اور ظالم وقاہر برادری کے ایک فرد کا قتل کسی غلام اسرائیلی شخص کے ہاتھوں ہوگیا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بہت بڑی جسارت اور انتہائی درجے کی بے ادبی اور گستاخی تھی جو کسی معزز قوم کے خلاف سرزد ہوگئی تھی۔ ایسے میں جنود فرعون کو حرکت میں آکر بنی اسرائیل کو نیست ونابود کردینے کا موقع وجواز فراہم ہوچکا تھا۔ نہ کسی اقوام متحدہ کا ڈر تھا، نہ اخلاق وتہذیب کی اعلیٰ قدریں پامال ہورہی تھیں، نہ قومی وبین الاقوامی انجمنیں مطالبہ ومظاہرہ کرنے والی تھیں، نہ ہی حقوق انسانیت کے عالمی ومحلی ادارے اپنی فارملٹی پوری کرنے کا شاخسانہ اور ناٹک کرنے والے تھے اور نہ ہی عالمی طاقتوں کے لئے اپنی چودھراہٹ ثابت کرنے اور سیاست کھیلنے کا ہی سہی موقع ومحل تھا۔ اندیشہائے دراز، نہ خوف خویش واغیار تھا۔ جو کچھ تھا بس اپنی مطلق العنانی تھی۔ نہ وازع دینی تھا، نہ سلطانی، بلکہ بالکل منمانی اور شہوانی حرکتیں کرلینے کی زبان حال وقال کی کہانی وترجمانی تھی۔ پھر بھی فرعون نے قتل کے ملزم ومجرم کو تلاش کرنے اور اسے قرار واقعی سزا دینے کے اعلان کے علاوہ کوئی عملی اقدام غلام، ماتحت اور کمزور قوم کے خلاف جوش انتقام میں کرنا اپنے وقار، اپنے ضمیر، اپنے مقام ومرتبے اور انصاف سے فروتر اور ورے سمجھا، ورنہ اس کے لیے بنی اسرائیل اور یہودیوں کو قتل کردینے کا اس سے زیادہ کوئی اور کیا چانس ہوسکتا تھا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

آج کی مہذب دنیا کا عالم یہ ہے کہ وہ چند میزائلوں (غلیلوں) اور ایک طرح کی ہوائی فائرنگ کی پاداش میں ظلم وتعدی، خونریزی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی ہے اور فلسطینیوں کو ان کے اپنے ہی وطن اور گھر بار سے دربدر کردینے کی انتھک کوشش کررہی ہے۔ وہ بھی علی الاعلان، برملا، پوری رعونت کے ساتھ اور فرعونیت سے بڑھ کر۔ بنی اسرائیل چپکے سے بھاگ بھی سکتے تھے۔ سازشیوں کی سازش سے بچ کر نکل بھی جاتے تھے۔ سرحدیں کھلی ہوئی تھیں۔ جان بچالے جانے کی ان کے یہاں بہت سی ترکیبیں بھی ہوسکتی تھیں۔ لیکن یہاں ایک پرندے کو پر مارنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کھلے بندوں آجا بھی نہیں سکتے۔ بندوقوں کی باڑھ، فوجیوں کے قہر وجبر، پولسیائی حرکتوں اور ہتھکنڈوں کے بیچ، بڑی جانچ پڑتال اور سخت وسیریس سیکورٹی دستوں کی چیکنگ کے بعد ہی کوئی فلسطینی اپنے گھر سے نکل کر اسرائیل میں محض مزدوری کرنے جاسکتا ہے۔ اور وہ نیم برہنہ نہیں، مادر زاد ننگا کرکے کڑی ٹھنڈی راتوں میں بسا اوقات چیک پوسٹوں سے گذر کر ہی نان شبینہ کمانے اور محض بچوں کی بھوک مٹانے کے لئے اپنے خطوں اور گھروں سے نکلنے کے مجاز ہوسکتے ہیں۔ گھروں کی تلاشی جب چاہیں اور جہاں چاہیں جوابدہی کے لئے تیار رہیں اور کسی حال میں بھی بخشے نہ جائیں۔ کوئی خط بھی بلا سنسر ان تک نہ پہنچ سکے۔ پھر جان بچی ہزاروں پائے۔ گھروں میں پڑے رہیں اور اطمینان ہو کہ ہمارا گھر ہے اور وطن ہے۔ مگر آج اسرائیل کے انتقام اور ظالمانہ کارروائیوں کا انجام کیا ہے؟ کسی طرف نکل بھاگنے اور ہجرت کرنے کی کوئی سبیل نہیں۔ آگے اکلوتا راستہ ہے اور وہ بھی مسدود ہے۔ دشمن اپنے تمام تر مہلک ہتھیاروں کے ساتھ زمینی وآسمانی جہنمی آگ برسا رہا ہے۔ ایک ایک دانہ اور قطرہ قطرہ پانی کے لئے لاکھوں فلسطینی ترس رہے ہیں۔ دواؤں اور غذاؤں کا عالم یہ ہے کہ وہ خواب وخیال بنی ہوئی ہیں۔ ہزار ہا ہزار لاشوں، زخمیوں، مریضوں، مصیبت زدوں، دردزہ میں مبتلا صنف نازک اور شیر خوار اور نوزائیدہ بچوں کا کیا انجام ہے؟ اور کن حالات میں

مائیں اپنے بچوں کو جنم دے رہی ہیں؟ ہوسپٹل وشفا خانے تو قصۂ پارینہ بنے ہوئے ہیں۔ گھر خانماں برباد، ملبے میں دبے ہوئے، در بھی میسر نہیں۔ ہجرت کی راہ میں محصور آہ وکراہ کے درمیان بچے اس وسیع مگر تنگ وتاریک دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں۔ چند گنے چنے غیر مسلم عیسائی اور یہودی اسپتال بھی اب اپنے شفا پانے کی آس میں پڑے مریضوں کے ساتھ ملبوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ جو اسرائیل کو للکار رہے ہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ڈائیلاگ چھوڑ رہے ہیں اور دھمکیوں کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں، اگر وہ ایک قطرہ پانی بھی فلسطینیوں کو پہنچا دی ہوتی اور انہوں نے ان کو دوا کی ایک ٹکیہ بھی میسر کرا دیا ہوتا تب بھی ان جیالوں کو تمغہ بہادری اپنی حماقتوں سے ہی سہی عطا کر دیتے۔

آہ! یہ کیسی للکار ہے جو دشمن کے گھن گرج کو بڑھا کر خاموش ہو جاتی ہے اور جس نے اس کی توپوں، راکٹوں، میزائلوں کو دعوت مبارزت دے کر خوب خوب اور ان کو عجیب شاطرانہ اسالیب کے ذریعے قضیۂ فلسطین اور فلسطینیوں کو ان کی زمین میں بے دریغ دفن کرا دینے اور انتہائی ذلت ومسکنت کی حالت میں انخلاء اور ہجرت پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ اپنوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری ہے، یا در پردہ یہود کے ساتھ یاری، یا کسی قوم وجماعت کے ساتھ غداری کا سامان، یا اندرونی عہد وپیمان کا شاخسانہ اور قوم مسلم، اقصی واقدس ومقدس اور اصل مکان کو ختم کر دینے کا بہانہ ہے۔ یا اس خطے میں امن وسکون اور فلسطینیوں کے جینے کے حقوق کو سلب کر لینے کے لئے اندرونی وبیرونی سازشیں ہیں؟ یا صلح وشرائط جو فلسطینیوں کے ان کی مظلومیت کے باوجود ایک معتدل اور باعزت حل کی طرف بڑھتے ہوئے اقدام کو متزلزل کرنے اور اس حکمت عملی اور ہمت وجواں مردی کے ساتھ جاری سعودی عرب کے مفاوضات کو سبوتاژ کرنے کی سازشوں کا حصہ ہے؟ وہ سعودی عرب جس نے صہیونیوں اور سامراجیوں کی شاطرانہ چالوں کو جبکہ عثمانیوں کی مجبوری اور مصطفیٰ کمال اتاترک جیسی سازشوں اور چالوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور فلسطینیوں اور بیت المقدس کے سینے میں خنجر گھونپنے کے لئے اقدامات کر رہے تھے، نے اپنے ابتدائی دور سے ہی شدید مخالفت کرنے کا فرض ادا کیا۔ سب سے آگے بڑھ کر جان ومال نچھاور کرنے میں سبقت واولیت حاصل کی، تمام جنگوں میں بنفس نفیس حصہ لے کر بڑی بڑی قربانیاں دیں اور آج بھی سب سے زیادہ جرأت کا مظاہرہ اور ایثار وقربانی کا حق ادا کر رہا ہے اور اپنوں کی منافقت اور غیروں کی عیاری وجسارت کو جان اور پرکھ لینے کے باوجود فلسطینیوں کو ان کا حق دلانے اور بیت المقدس کو بچانے کا فریضہ بھی انجام دے رہا ہے۔ پھر بھی کچھ ناعاقبت اندیش اور طالع آزما اسی کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے نہیں تھکتے اور ان ملاؤں اور زلہ خواروں کو اپنے ان ہیروؤں کے کالے کرتوت جو یا تو اول دن سے اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں، اس سے سفارتی تعلقات بھی بڑھائے ہوئے ہیں اور تبادلہ اموال وسیاسیات میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں ہیں، یا سری طور پر بیت الصداقہ قائم کر کے ایک طرف اسرائیل کی ہم نوائی اور دوسری طرف دہاڑنے دھمکانے کا شاخسانہ بھی کھڑا کئے ہوئے ہیں، ہرگز نظر نہیں آتے۔ آخر اسے کون سا نام دیا جائے؟!

یہ دنیا کا سب سے احمقانہ اور نرالا فلسفہ بگھارنا ہے کہ دین وایمان جان ومال اور عزت وناموس کے بدلے اتنے ہزار کے نقصانات اسرائیلی کو پہنچا دیا گیا ہے۔ پورے غزہ کی مکمل بربادی کے بعد وہاں سے جلا وطن اور بلا خیموں کے خیمہ زن ہونے والوں کا حساب نہ لگا کر دشمن پر اموال کی بارش کرنے کا بہانہ جو امریکہ اور بڑی قوتیں تلاشتی رہتی ہیں، کو جواز فراہم کرانے کو بھلا کرا تنے کروڑ کا نقصان وخسارہ کروا دیا جیسی سفیہانہ وبچکانہ باتیں کسی قوم کو زیب دیتی ہیں؟۔ آہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم دشمن سے زیادہ ان ناحق خونوں، جانوں اور عزتوں کا مذاق اڑا رہے ہو، جبکہ ایک مومن اور انسان کی جان کی قدر وقیمت تمہیں معلوم ہے۔ عربی کا مقولہ ہے کہ "اوسعتهم سبا واودوا بالابل"، دشمن نے ہمارا سب کچھ لوٹ لیا، جان بھی، مال بھی، عزت وناموس اور گھر ودر بھی لیکن ہم نے بھی ان کو خوب کوسا اور گالیاں دے کر اور خود ہی سن کر خوب پیٹ بھر لیا۔ یہ ان نادانوں کے لئے عرب بولتے ہیں جو اپنا سب کچھ گنوا کر خود گالی دے کر اور خود ہی سن کر تسلی حاصل کرتے ہیں۔

آخر اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا! لڑتے بھی ہیں، مرتے بھی ہیں اور نسل کشی کراتے نہیں تھکتے۔ مومن بار بار ایک ہی بل سے نہیں ڈسا جاتا۔ جب جب امن وامان اور صلح وآشتی کی بات چلتی ہے اور بدبخت یہودی دشمن کو گھیرنے اور عالمی طور پر کسی پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش بار آور ثابت ہونے لگتی ہے تو دعوؤں اور نعروں کے علی الرغم اس کو یا تو دشمن اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سبوتاژ کرا دیتا ہے یا اس قوم کو آپس میں لڑا کر اور اس کو طفل تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے اور فلسطینی مظلوم بھائیوں کو تن تنہا دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے اور ان کو اعدائے دین وفلسطین کے ظلم وستم کی آماجگاہ بنا دیتا ہے اور ان بالشتیوں کے بالسٹک میزائل اور مکہ ومدینہ تک مار کرنے والے جدید اسلحہ جات ان مظلوم فلسطینیوں کی مدد اور دشمنوں کی طرف سوائے للکار کے اور زبانی جمع خرچ کے نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ فیا للعجب۔ اور یہ معلوم ہے کہ

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے — انجام گلستاں کیا ہوگا؟

بار الٰہ تو ہماری حالتِ زار پر رحم فرما، ارض مقدس کے تقدس کو بحال فرما اور ہمارے مظلوم، صابر وشاکر، باہمت اور پرعزم مظلوم ومقہور بھائیوں کی اپنی امدادِ غیبی اور جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے مدد فرما۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث ☆☆

”وہ سب کچھ جانتا ہے“

مولانا اسعد اعظمی/جامعہ سلفیہ، بنارس

ہر سماج اور ہر ملک کے اپنے اپنے قوانین ہوتے ہیں جن کی پابندی ہر فرد پر لازم ہوتی ہے، ان ہی قوانین اور پابندیوں کی وجہ سے انسان بہت سارے کام نہ چاہتے ہوئے بھی کرتا ہے، یا چاہ کر بھی نہیں کر پاتا۔ یعنی اگر کسی کام کا کرنا قانونی اعتبار سے ضروری ہے بھلے آدمی کا اس میں بظاہر کوئی فائدہ نہیں تو بھی قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے آدمی وہ کام کرتا ہے۔ یا کوئی کام قانوناً منع ہے اور آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے تو بھی قانون اسے اس کام سے روک دیتا ہے۔ البتہ ان دنیاوی اور انسانی قوانین کی بہت سارے لوگ خلاف ورزی کرتے ہیں، خاص طور سے اس وقت جب ان کو یہ احساس ہو کہ ہماری اس خلاف ورزی کو حکومت کا آدمی یا ذمہ دار نہیں دیکھ رہا ہے۔ مثلاً بلا ٹکٹ سفر کرنا، رشوت دینا یا لینا، زنا، وغیرہ وغیرہ۔

ایک مسلمان جو حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اس کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ اچھے کاموں کو انجام دیتے وقت اور برے کاموں سے پرہیز کرتے وقت انسانی محافظوں اور حکومتی کارندوں کی نظر کو ملحوظ نہیں رکھتا کہ اگر ان کی گرفت میں آنے کا خطرہ ہو تو کرے اور خطرہ نہ ہو تو نہ کرے۔ بلکہ وہ اس اللہ رب العالمین کی نظر اور اس کی ہمہ دانی کو مدنظر رکھتا ہے جو ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر چھوٹے بڑے عمل سے باخبر ہے۔ دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا سب اس کے لیے برابر ہے۔ انسان تنہائی میں اور تمام لوگوں کی نظروں سے بچ کر کوئی کام کرے یا بھرے مجمع میں ہر ایک کام اللہ کی نظر میں ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ اس کا رکارڈ بھی تیار کروا رہا ہے۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ بندوں کو یہ چیز باور کرائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد– ق:١٦﴾ [ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں، اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ جو کام کرتا ہے اچھا یا برا صرف اسی سے اللہ تعالیٰ باخبر نہیں ہے بلکہ جو کچھ اپنے دل میں سوچتا ہے اس سے بھی وہ مطلع رہتا ہے۔ اسی طرح کی بات ایک دوسری آیت میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ -غافر:١٩﴾ [وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے]

آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے۔ جیسے راہ چلتے کسی حسین عورت کو کنکھیوں سے دیکھنا۔ سینوں کی باتوں میں وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ (احسن البیان)

اللہ تعالیٰ کے وسیع علم اور ادراک کی جان کاری کے لیے ان آیتوں پر بھی غور کرنا چاہیے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاء – آل عمران:٥﴾ [یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں]

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ – الأنعام:٥٩﴾ [اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں (خزانے) ہیں جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور جو دریاؤں میں ہیں۔ اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے (اور اللہ ان سے باخبر ہے)]

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَى ثَلاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِن ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ – المجادلة : ٧﴾ [کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے، تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا (اللہ تعالیٰ) ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ کی مگر وہ ان کے ساتھ میں ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔ پھر قیامت کے دن انھیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے]

جب اللہ تعالیٰ کے علم اور جانکاری کا یہ عالم ہے کہ روئے زمین کی ہر چھوٹی بڑی، ڈھکی چھپی بات اور چیز سے وہ واقف رہتا ہے تو یہ چیز ایک مسلمان کو محتاط اور

ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کا احساس دلاتی ہے۔ اور یہ کہ کوئی شخص دنیاوی قوانین اور دنیا والوں کی نظروں سے بھلے بچ جائے مگر اللہ کی نظر اور اس کے مواخذہ سے کیسے بچے گا۔ وہ تو جانتا ہے کہ:

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَه . وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ - زلزال:۷-۸﴾[جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔]

یعنی معمولی سے معمولی اچھائی کی جزا اور معمولی سے معمولی برائی کی سزا بندے کو بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، کیونکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا رکارڈ تیار ہو رہا ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود بندہ جب گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے اور انجام کی پرواہ نہیں کرتا تو قیامت کے دن جب اس کا سارا رکارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا جائے گا تو گھبرا اٹھے گا:

﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَداً -الكهف:۴۹﴾[اور (قیامت کے دن) نامہ اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے رے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑی اور نہ بڑی چیز مگر سب کو گھیر رکھا ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا سب موجود پائیں گے۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا۔]

﴿وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً . اقْرَأْ كَتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيباً -بنی اسرئیل:۱۳-۱۴﴾[اور ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے، اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکال کر رکھ دیں گے جسے وہ اپنے لیے کھلا ہوا پائے گا۔ (اور کہا جائے گا کہ) لے خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے۔]

ویسے تو بندے کے حساب وکتاب کے لیے اللہ تعالی کی نگرانی اور اس کا علم ہی کافی ہے۔ مگر اللہ تعالی نے اس کے ساتھ ساتھ بندوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرنے کے کچھ اور ذرائع بھی مقرر کر رکھے ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہر انسان کے ساتھ لگا رکھا ہے جو ہمہ وقت اس کے اعمال نوٹ کرتے رہتے ہیں اور اس کے ہر چھوٹے بڑے عمل کی فہرست تیار کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ . مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ - ق:۱۷-۱۸﴾[جب دو لینے والے (فرشتے) لے لیتے ہیں، ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار رہتا ہے]

یعنی انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں...دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی، دوسرا بدی لکھنے کے لیے، اور بعض کے نزدیک دن اور رات کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ۔ (احسن البیان، فتح القدیر)

سورہ انفطار میں فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ . وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ . كِرَاماً كَاتِبِينَ . يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ - الانفطار:۹-۱۲﴾[ہر گز نہیں، بلکہ تم تو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتے ہو، حالانکہ تمہارے اوپر نگہبانی کرنے والے معزز فرشتے لکھنے والے مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔]

الغرض انسان کا ہر قول وفعل اور اس کی ہر حرکت وعمل ایک تو براہ راست اللہ تعالیٰ کی نظر اور علم میں ہوتا ہے تو ساتھ ہی اللہ کے مقرر کردہ فرشتوں کے ذریعہ ان تمام چیزوں کو نوٹ بھی کیا جاتا ہے۔ پھر اس کا پورا رکارڈ قیامت کے دن مرتب شکل میں انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

اتنے ہی پر بس نہیں اعمال کے رکارڈ کا ایک اور انتظام بھی ہے جس کا تذکرہ قرآن میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا . بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا - الزلزال:۴-۵﴾[اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی، اس لیے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہوگا]

قیامت کے دن یہ زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ اور پوچھا: جانتے ہو: زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کیا ہوگا، اس کی گواہی دے گی: کہے گی: اس نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں کیا تھا۔'' (احمد، ترمذی، حاکم۔ وقال الالبانی: ضعیف الاسناد)

ان تمام ٹھوس رکارڈوں اور پختہ ثبوتوں کے باوجود قیامت کے دن بھی انسان جھوٹ بولنے اور اپنے گناہوں کا انکار کرنے کی کوشش کرے گا۔ مشرکین کہیں گے ﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ -الانعام:۲۳﴾[قسم اللہ کی، ہمارے پروردگار کی

،ہم مشرک نہ تھے]

لیکن حضرت انسان کی یہ بہانے بازی اور کذب بیانی وہاں نہ چل سکے گی۔ بلکہ اس کی زبان پر تالا لگا دیا جائے گا اور اس کے اعضاء کو اللہ تعالی بولنے کی صلاحیت دے دے گا جو بتائیں گے کہ اس شخص نے دنیا میں کیا کیا کیا۔

اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ -یس:۶۵﴾[آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔]

حدیثوں میں آتا ہے کہ بندے کے اعضا جب اس کے کرتوت بیان کرنے لگیں گے اور اس کے اعمال گنائیں گے تو بندہ حیرانی کے عالم میں اپنے اعضا کو لعنت ملامت کرے گا اور کہے گا تمہارے لیے ہلاکت اور دوری ہو، میں تو تمہاری ہی خاطر جھگڑ رہا تھا اور مدافعت کر رہا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں اور میرے فرشتے کراماً کاتبین گواہی کے لیے کافی نہیں۔ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔ کتاب الزھد۔ حدیث نمبر:۲۹۶۸-۲۹۶۹)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ -النور:۲۴﴾[اس دن ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے]

سورہ حم السجدہ میں اس طرح تفصیلات بیان کی گئی ہیں:﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ . حَتَّى إِذَا مَا جَاؤُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ . وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ- حم السجدة:۱۹-۲۱﴾[اور جس دن اللہ کے دشمن جہنم کی طرف لائے جائیں گے اور ان سب کو جمع کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی، اسی نے اول مرتبہ تمہیں پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے]

اس کے بعد والی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے چھپنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اسے اس بات کا خوف نہیں تھا کہ خود اس کے اعضا اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ ان سے چھپنے کی ضرورت محسوس کرتا۔ اور انسان یہ بھی اعتقاد فاسد اور گمان باطل رکھتا تھا کہ اللہ تعالی کو ہمارے بہت سارے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔

﴿...وَلَكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيراً مِّمَّا تَعْمَلُونَ -۲۲﴾

بہر حال انسان کے جملہ اعمال وافعال کا مکمل رکارڈ تیار کیا جا رہا ہے اور یہ کئی ایک ذرائع سے تیار ہو رہا ہے، اور اللہ کا علم اس پر مستزاد ہے۔ اس لیے انسان کو کسی غلط فہمی یا غفلت میں نہیں رہنا چاہیے۔

اعمال کے رکارڈ کے عمل کو سمجھنا آج کے ترقی یافتہ دور میں بہت آسان ہوگیا ہے۔ انسان نے آج ڈھیر سارے چھوٹے بڑے ایسے آلات اور مشینیں ایجاد کر لی ہیں جو مختلف انداز اور طریقوں سے رکارڈ تیار کرتی رہتی ہیں۔ فضا میں تیرنے والے مصنوعی سیارچے، دور سے کام کرنے والے ریموٹ کنٹرول، ٹیپ ریکارڈر، موبائل، سم کارڈ، میموری کارڈ، سی ڈی، پین ڈرائیو، نگرانی کی غرض سے نصب کیے جانے والے کیمرے، وغیرہ وغیرہ، یہ تمام آلات آواز، تصویریں، تحریریں اور ہر قسم کی نقل وحرکت کو اپنے اندر محفوظ کر لیتے ہیں اور آدمی جب چاہے ان آلات ومشینوں سے مطلوبہ رکارڈ حاصل کر سکتا ہے۔ قمیص وغیرہ کی چھوٹی سی بٹن کی شکل میں آلے دستیاب ہیں جن کو آدمی بٹن کی جگہ لگا لیتا ہے اور اپنے گرد وپیش میں ہونے والی تمام قسم کی نقل وحرکت اور قول وعمل کا ریکارڈ اس میں تیار کرتا رہتا ہے اور کسی کو کچھ خبر نہیں ہوتی اور نہ کسی کے گمان میں ہوتا ہے کہ اس طرح بھی ہماری نگرانی کی جارہی ہے۔ اسی قسم کے آلات کے ذریعے بہت سارے گھپلے، گھوٹالے اور رشوت وغیرہ کے واقعات پکڑ میں آتے ہیں اور مجرموں کے انکار کرنے پر جب انہیں پورا رکارڈ دکھا دیا جاتا ہے تو خاموشی اور اعتراف جرم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

آج سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جھوٹ پکڑنے والی مشین ایجاد کی جا چکی ہے جس کے ذریعہ متعلقہ شخص کی کذب بیانی بآسانی پکڑلی جاتی ہے۔

اللہ رب العالمین کی طاقت اور قدرت کے سامنے انسان کی طاقت اور قدرت کیا حیثیت رکھتی ہے، پھر بھی اس نے ایسی ایسی مشینیں اور آلات بنا لیے تو وہ قادر مطلق ذوالجلال والاکرام جو خود اس انسان کا بھی خالق ہے وہ اپنے بندوں کے اعمال کا رکارڈ تیار کرنے کے لیے کتنی قدرت رکھتا ہوگا اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر اور علیم وخبیر ہونے کا تصور عقائد، عبادات، معاملات ہر موقع پر ہونا چاہیے۔ عبادت کے وقت یہ تصور ہو کہ ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہیں، ہم اس کو اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اسی چیز کو حدیث میں احسان

سے تعبیر کیا گیا ہے: ''الاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ، فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ''(مسلم: ۸)

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس کے برعکس اگر بندہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو عبادت کے وقت دیکھنے یا دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ چیز اس کی عبادت کی روح ختم کر دیتی ہے اور وہ شرک اصغر اور شرک خفی کا مرتکب قرار پاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس طرح کے عمل کو مسیح دجال سے بھی خطرناک قرار دیتے ہوئے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ مثلاً آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اور اسے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ اپنی نماز میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے (پورے اطمینان اور خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتا ہے) اور یہی شرک خفی ہے۔(احمد-صحیح الجامع: ۲۶۰۷)

انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے کھڑا تصور کرے۔ چاہے عبادت میں ہو چاہے لین دین یا کسی اور معاملے میں، خلوت میں ہو یا جلوت میں، غلبہ اور قدرت کی حالت میں ہو یا مغلوبیت اور محکومیت کی حالت میں۔ آقا اور مالک کی حیثیت میں ہو یا ملازم اور مزدور کی حیثیت میں۔ وہ جب ہر حال میں اللہ کو حاضر و ناظر تصور کرے گا تو وہ ہر عمل اور ہر کام بہتر طریقے پر انجام دے گا اور کسی بھی طرح کی بے ایمانی، کام چوری، ظلم وزیادتی وغیرہ کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہ آئے گا۔

اللہ کے علیم وخبیر ہونے کا یہی تصور تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کی حسین وجمیل بیوی کے ساتھ بدکاری سے محفوظ رکھا جس نے پوری تیاری اور تحفظ کے ساتھ آپ کو معصیت کی دعوت دی تھی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مکہ کے سفر میں تھے، راستے میں پہاڑیوں پر ایک غلام بکریاں چرا رہا تھا، ابن عمرؓ نے بطور امتحان اس غلام سے کہا کہ ایک بکری ہمیں بیچ دو۔ غلام کہتا ہے کہ بکریاں میری نہیں میرے آقا کی ہیں، مجھے چرانے کے لیے دیا گیا ہے بیچنے کے لیے نہیں۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ بیچ دو اور آقا سے کہہ دینا کہ ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا۔ غلام جواب دیتا ہے کہ ٹھیک ہے مگر اللہ کو میں کیا جواب دوں گا۔(السلسلة الصحیحة: ۳۶۹/۷)

ایک بندہ مومن کی پوری زندگی اسی تصور کے ساتھ گذرتی ہے، کسی بھی قسم کی بے ایمانی، دھوکہ دھڑی، غبن اور گھوٹالے کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ اس کی زندگی آئینہ کی طرح صاف شفاف رہتی ہے، ضرورت ہے کہ اسی نہج پر انسان کی تربیت کی جائے اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کی جائے۔ واللہ من وراء القصد۔

☆☆☆

بیربھوم میں نصاب تعلیم پر جمعیت اہل حدیث کا ایک روزہ سیمینار

جماعتی خبریں

صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی بنگال کے زیر اشراف اور ضلعی جمعیت اہلحدیث بیربھوم کے زیر اہتمام مورخہ ۲۰۲۳/۱۰/۲۱ کو ایک روزہ'' سیمینار'' ضلعی جمعیت کے صدر دفتر رنگائی پور میں زیر صدارت امیر ضلعی جمعیت مولانا انوار الحق صاحب جبکہ زیر نظامت ناظم ضلعی جمعیت ماسٹر عبدالودود صاحب بڑے آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوا، جس کا آغاز مقری قمر الزماں صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کے بعد مولانا منصور عالم صاحب، مولانا ریاض الاسلام صاحب، مولانا نظام الدین سنابلی صاحب، مولانا نور الاسلام صاحب، مولانا رحمت اللہ شمسی صاحب نے مدارس و جامعات کی تعلیم کی حیثیت اور فوائد ونقصانات اور نصاب تعلیم پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں بڑی قیمتی مشورے دیے، اس کے بعد پروفیسر نور الاسلام صاحب نے سب کی توجہ مبذول کرائی اور کہا کہ یہ سیمینار بہت ہی اہمیت کا حامل ہے اور ہر ایک کے خیالات کا آئینہ دار ہے، انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مدارس کی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

اس کے بعد مولانا عبدالحمید مدنی صاحب نے مدارس کی تعلیم پر گفتگو کرتے کہا کہ منہج السلف اور صحیح عقائد پر مشتمل نصاب تعلیم ہی ہمارے مدارس میں لاگو کرنا چاہیے اور مرکزی جمعیت کو یہ نصاب تعلیم تیار کر کے سبھوں کو دینا چاہیے۔

اخیر میں نائب ناظم صوبائی جمعیت مولانا وحید الزمان تیمی صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صحیح عقائد کو مدنظر رکھتے ہوئے مدارس میں نصاب تعلیم کی ضرورت ہے اس لیے صوبائی سطح پر مدینہ یونیورسٹی کے نصاب کی بنیاد پر ایک نصاب تیار کیا گیا ہے جو فی الحال جامعہ الہدی الاسلامیہ ہوڑہ، کولکاتا میں نصاب تعلیم ہے، اور اسی نصاب کو بیربھوم اور دیگر اضلاع کے مدارس میں شامل کرنے کی گزارش کی۔

اس سیمینار میں ضلعی کمیٹی کے اراکین، بیربھوم ضلع کے 32 جامعات مدارس کے صدر، مدرسہ کمیٹی کے صدر/ سکریٹری سمیت کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ اسطرح سے یہ سیمینار بہت شاندار رہا۔

☆☆☆

مختلف مذاہب کے درمیان بڑھتی خلیج۔ اسباب وتدارک

ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی
میڈیا کوآرڈینیٹر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

وطن عزیز ہندوستان ایک سیکولر جمہوری ملک ہے جس کا ایک امتیازی وصف تنوع میں مطابقت اور کثرت میں وحدت ہے، جس کو گنگا جمنی تہذیب وثقافت اور روایت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، بودھ، جین، پارسی وغیرہ مذاہب کے لوگ آباد ہیں اور صدیوں سے اس قدر تنوع ورنگا رنگی کے باوجود بلا تفریق دین ومذہب سبھی باہم شیر وشکر ہوکر زندگی گزارتے آئے ہیں۔ اس لیے کہ مذاہب ہمیشہ امن، محبت، ہمدردی، رواداری، مصالحت، ہم آہنگی، احترام، سخاوت اور انصاف ومساوات کے مبارک جذبات اور حسن تعامل کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ کئی مواقع پر مذہب کو تشدد، عدم برداشت، فرقہ وارانہ منافرت، دہشت گردی اور فتنہ وفساد اور تنازعات کی مختلف شکلوں اور صورتوں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بلکہ دنیا میں ذاتی وسیاسی مفادات کے پیش نظر مذہب اور مذہبی مسائل کا استعمال عام سی بات رہی ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہندوستانی فطرت ومزاج اور روایت کے برخلاف یہاں بھی اس طرح کا رجحان پنپنے لگا ہے اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بوجوہ منافرت وغیریت کی خلیج بڑھتی جارہی ہے جو کہ ایک ترقی پذیر ملک کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

کیوں کہ جس طرح استحصالی مقاصد کے تحت ہندوستانی سماج کو مذہب کے نام پر مختلف جذباتی نعروں کے ذریعہ تعصّبات اور امتیازی رویوں کو ہوا دے کر آپس میں بانٹنے اور فرقہ پرستی اور منافرت کی آگ بھڑکانے کی کوششیں اور سازشیں ہورہی ہیں اور مختلف حیلوں اور حوالوں سے سماجی تانے بانے کو بکھیرنے کی سعی نا ہنجار کی جارہی ہے، افراد کے اندر جس طرح ایک دوسرے کے تئیں بے اعتمادی، بے یقینی، خوف ودہشت، تشدد، اشتعال انگیزی، عدم رواداری، نابرابری اور اونچ نیچ کے مذموم احساسات وجذبات کو فروغ دیا جارہا ہے اور جس طرح سے پورے دیش میں ''جنگل کے قانون''، بھیڑتنتر اور جس کی ''لاٹھی اس کی بھینس'' کے رجحانات پنپنے لگے ہیں وہ یقیناً ایک محبّ وطن شہری، انسان دوست سماج اور سیکولر جمہوری ملک کے روئے زیبا پر بدنما داغ ہے۔ یہ ایسا عفریت ہے جو رفتہ رفتہ لاقدر اللہ اس امن وشانتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، مذہبی رواداری، سماجی انصاف اور اتحاد ویکجہتی کے حسین گہوارے کو نگل جائے گا، گنگا جمنی تہذیب وروایت کی خوبصورت دلہن کی حسین آنکھیں بھینگی ہوجائیں گی، دیش کی ہمہ جہت ترقی رک جائے گی اور ملک وسماج کشت وخون کا میدان کارزار بن کر رہ جائے گا۔ اس لئے حکومتی وعوامی سطح پر وقت رہتے ہوئے اس جانب ترجیحی طور پر توجہ صرف کرنے مذاہب کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کو مٹانے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی ورواداری کی فضا کو بحال رکھنے کے لئے سخت جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ہم سبھی دیش واسیوں کا قومی، ملی، مذہبی، سماجی اور انسانی فریضہ ہے۔

مختلف مذاہب کے مابین بڑھتی خلیج کے متعدد اسباب ہیں جن میں سیاست سرفہرست ہے۔ ملک کے اندر مذہبی نوعیت کے فسادات کے پردہ زنگاری میں علی العموم معشوق سیاست چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جس کے ادنی اشارہ ابرو پر میرٹھ، ملیانہ، ہاشم پورہ، گجرات، ممبئی، ہریانہ وغیرہ ہنستے کھیلتے مقامات خاک وخون میں لت پت ہوجاتے ہیں اور ناحق بے شمار جانی ومالی نقصانات ہوتے ہیں۔ فرقہ وارانہ منافرت اور تصادم کو بڑھاوا دینے میں سیاست کا کیا رول ہوتا ہے اس کی ہزاروں مثالیں ہیں۔ مثلاً؛ بی، بی، سی کی ایک رپورٹ کے مطابق مئی ۲۰۱۴ء کے پارلیامانی انتخابات کے نتائج سامنے آنے کے بعد دس ہفتوں کے اندر صرف اتر پردیش میں ۶۰۰ سے زائد ہندو مسلم ٹکراؤ کے واقعات رونما ہوئے۔ ان میں سے ستر فیصد واقعات ان بارہ اسمبلی حلقوں یا ان کے اطراف میں ہوئے جہاں نومبر ۲۰۱۴ء میں خالی نشستوں کے لیے انتخابات ہونے والے تھے۔ بی، بی، سی نے مزید لکھا کہ ''گزشتہ دو دہائی کی سیاست پر اگر نظر ڈالیں تو مسلمانوں کی ہمدرد سمجھی جانے والی جماعتوں...نے مسلمانوں کی ترقی کے نام پر ایسی سیاست کی کہ جس سے عام ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات کو ہوا ملی''۔ نامہ نگار نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے آگے لکھا کہ ''...بھارت میں مختلف مذاہب باہمی احترام کے ساتھ صدیوں سے ساتھ ساتھ رہتے چلے آئے ہیں لیکن سیاست میں مذہب کی دخل اندازی کے بعد مذاہب کے درمیان کشیدگی کو ہوا مل رہی ہے۔ (شکیل اختر، بی بی سی اردو سروس، ۹/ اگست ۲۰۱۴ء)

مذاہب کے درمیان بڑھتی خلیج کا ایک سبب بعض میڈیا کا غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے۔ وہ ہر واقعہ میں خواہ وہ ملکی ہو یا عالمی مذہبی پہلو ڈھونڈ نکالنے اور دو مذاہب کے مابین منافرت کو ہوا دینے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ علی سبیل المثال گیان واپی مسجد کے سروے کے دوران جب حوض کا پانی نکالا گیا اور وہاں ٹوٹا ہوا فوارہ ملا تو زرد میڈیا نے فوراً اسے شیولنگ باور کرادیا اور وہ اس مسئلہ میں ہندو فریقوں سے بھی آگے نکل گیا۔ اینکر چلانے لگے کہ بابا بھولے ناتھ مل گئے اور سوال پوچھنے لگے کہ وہاں جل ابھیشیک کب ہوگا؟ جس طرح بابری مسجد کے معاملے میں شری رام جی کو قید خانے میں دکھایا جارہا تھا اسی طرح شیولنگ کو قید میں دکھایا جارہا ہے۔ یہ زرد میڈیا یہی رویہ

متھرا کی عیدگاہ کے بارے میں اپنائے ہوا ہے۔ جب متھرا کی ایک عدالت نے اس اپیل کو سماعت کے لیے منظور کرلیا۔ جس میں کہا گیا ہے کہ شاہی عیدگاہ مندر توڑ کر بنائی گئی تھی۔ اس وقت اس میڈیا کا جوش دوگنا ہوگیا، اس کے سلسلے میں ہفوات بکنے لگا اور سوال کرنے لگا کہ وہاں کرشن مندر کب بنے گا؟

میڈیا کا یہ رویہ بناؤ کا ہے یا بگاڑ کا؟ کیا اس طرح کی رپورٹنگ سے فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا نہیں مل رہی ہے؟ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس حوالے سے صحافی رویش کمار کے مرحوم پرائم ٹائم کے حلقات دیکھے جاسکتے ہیں۔

مذاہب کے مابین بڑھتی خلیج کا ایک بنیادی سبب غلط فہمی اور ایک دوسرے کی مذہبی تعلیمات سے لاعلمی بھی ہے۔ اس کے متعدد عوامل ہیں۔ لاعلمی کی وجہ سے لوگ غلط فہمی کے شکار بہت جلد ہوجاتے ہیں۔ نام نہاد مذہبی رہنماؤں، نیم ملاؤں، پاکھنڈی پنڈتوں، لائٹ کیمرہ اور ایکشن کے دلدادہ داعیوں اور سر پھرے واعظوں کے غیر ذمہ دارانہ بیانات وتصرفات اور بھڑکاؤ تقریریں جلتے پر تیل ڈالنے کا کام کرتی ہیں اور یہ بیانات اور تقریریں دوسرے مذاہب کے تئیں نفرت، تعصب، عدم برداشت، بے اعتمادی، بدگمانی، عدم احترام، معاشی استحصال، سماجی نابرابری، ظلم، ناانصافی وغیرہ منفی رویوں کو پروان چڑھاتے ہیں، ایک دوسرے کے دینی احساسات ومذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں، ایک فرقہ دوسرے فرقے کے ساتھ رہن سہن، لین دین، کاروبار اور سماجی سروکار کا بائیکاٹ کرنے لگتا ہے، ایک دوسرے کو اپنا جانی دشمن اور دہشت گرد سمجھ کر مکان یا دکان کرائے پر دینے کا روادار نہیں ہوتا۔ ماب لنچنگ کے واقعات رونما ہونے لگتے ہیں اور پانی اس وقت سر سے بہت اونچا ہوجاتا جب مذہبی پیشواؤں اور مقتداؤں کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے۔

فرقہ وارانہ فسادات، خواہ اس کا محرک کچھ بھی اور جو بھی ہو، مذاہب کے مابین خلیج کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ فسادات کے بعد ہجرتوں کا دلدوز سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ حقوق انسانی کے سرگرم کارکن میلون کوٹھاری کے بقول ''کسی بھی شہر میں فساد کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ خوف اور عدم تحفظ کی وجہ سے اپنے مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد کی اکثریت والی بستیوں میں منتقل ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات شہری حکام بھی ایسے حالات پیدا کردیتے ہیں جن میں لوگ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنے مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے علاقوں میں ہی رہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں''۔ (ڈبلیو، ڈی: ۵/ مارچ ۲۰۲۰ء)

مذہبی رواداری اور سماجی ہم آہنگی کے حوالے سے ایک اہم مسئلہ شناخت کا بھی ہے۔ عموماً ہر طرح کے فتنہ وفساد، کشت وخون اور سماجی انتشار کو مذہبی شناخت اور تناؤ سے جوڑ دیا جاتا ہے جو ایک صحت مند معاشرہ کے لیے کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جب گنگا جمنا جیسی دو عظیم ندیاں سنگم پر ملتی ہیں اور دونوں باہم مل کر اپنی شناخت و پہچان کے ساتھ بہت دور تک رواں دواں رہ سکتی ہیں تو دو مذاہب، دو عقیدے اور دو افکار وخیالات کے لوگ اپنے دینی ومذہبی تشخص اور روایت وشناخت کو برقرار رکھتے ہوئے باہم مل جل کر کیوں نہیں رہ سکتے۔ ہندوستانی تناظر میں ایسا ہونا بہر حال ممکن ہے اور تاریخی طور پر اس کا پر کیف مشاہدہ بھی ہو چکا ہے۔

جہاں تک مختلف مذاہب کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کے تدارک کی بات ہے تو سب سے پہلے سیاست اور میڈیا کو لگام دینا ہوگا اور ان کو معیاری ضابطہ اخلاق کا پابند ہونا ہوگا۔ اس کے بعد ہی تدارک کے دیگر فارمولے اور اسلوب وذرائع کارآمد ہوسکتے ہیں۔ مثلا؛

(۱) تعلیم کا فروغ: مختلف مذاہب کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کو پاٹنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے سماج تعلیم یافتہ اور خواندہ ہو، کیونکہ تعلیم خواہ دینی ہو یا عصری افراد کو مہذب، شائستہ، خوش اخلاق، بلند اقدار، کشادہ دل، باہم متعاون، روادار، امن پسند، اخوت بنو آدم کا خوگر اور انسانیت نواز شہری بناتی ہے جس میں تعلیمی اداروں، اساتذہ، انتظامیہ اور پرسکون ماحول کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ یہ ادارے انسانیت سازی کی فیکٹریاں ہیں جہاں مثالی اخلاق وکردار ڈھلتے ہیں اور اعلیٰ اقدار و روایات کی حامل شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ ادارے نئی نسل کے اندر ہم آہنگی، برداشت، توازن، طبقاتی مساوات اور پرامن تعایش باہمی کے پاکیزہ جذبات کو پروان چڑھاتے ہیں، جبکہ جہالت ونادانی کی کوکھ سے انگنت پریشانیاں اور نت نئے مسائل اور خون آشام غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ جہالت کے سبب سماج میں لڑائی جھگڑا، لوٹ مار، بے حیائی، فحش کاری، بدامنی ومنافرت اور فتنہ وفساد عام سی بات ہوجاتی ہے۔ نادان اور ایک دوسرے کے معتقدات اور مذہبی تعلیمات سے ناواقف کار انسان کا اپنی جہالت ونادانی کے سبب رسوا کن غلط فہمیوں اور غلط پروپیگنڈوں کا شکار ہوجانا فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے کاز کو نقصان پہنچانا لازمی امر ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے: ''أن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ'' (الحجرات/6) ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

(۲) رواداری: ہندوستان جیسے مذہبی لحاظ سے کثیر الجہت معاشرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور پرامن بقائے باہمی کو یقینی بنانے کے لئے قوت برداشت اور رواداری ضروری ہے، کیونکہ یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اسلام میں بھی اس کی واضح تعلیمات موجود ہیں کہ مذہب یا ازم کے بارے میں زور زبردستی نہیں کی جائے گی۔ بلکہ سماج کی تعمیر وترقی اور یکجہتی کے لئے سب کے افکار ومعتقدات کو برداشت کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔ قومی کاز کی راہ میں مذہب یا عقیدہ یا رسم ورواج روڑہ نہیں بنے گا بلکہ سارے اہل وطن کو اپنے غیر مذہب ہم سایہ کے ساتھ ''لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ'' (الکافرون:۶) اور ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ'' (البقرہ:۲۵۶) کی روشنی میں برتاؤ روا رکھنا ہوگا۔ سب کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنے

اور کامن سول کوڈ کے نام پر ایک مخصوص کلچر اور مذہب کو سب پر تھوپنے کی کوشش نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ ملک کے سماجی مزاج اور جغرافیائی تقاضوں سے متصادم ہے، بلکہ قانونِ فطرت کے خلاف اور خالق کائنات کی منشاء کے منافی ہے۔ ''وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ''(یونس/ 99) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کے اوپر زبردستی کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں۔

رواداری ایک فعال رویہ ہے جس میں انسان اپنے مختلف الخیال، مختلف الفکر، مختلف المذاہب اور مختلف الالسنہ انسان کے رویے کو خوش دلی سے قبول کرتا ہے اور اس کے ساتھ اختلاف کے باوجود احترام اور ہمدردی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اختلاف کا احترام، زیادتیوں پر معافی، نقصانات کی تلافی اور ابنائے وطن کے ساتھ خوش گوار تعلقات اور ہم آہنگی و جذبۂ رواداری ہی میں مضمر ہے۔ ہماری انفرادی و اجتماعی اور قومی وملی زندگی کی فلاح و بہبود کا راز اسی میں پنہاں ہے کہ ہم اپنے اندر کے عدم برداشت اور تعصب پر مبنی رویوں کا بار بار محاسبہ کریں اور تعصّبات کو بالائے طاق رکھ کر باہمی احترام، فراخدلی، ہمدردی اور رواداری کا قولاً وعملاً مظاہرہ کریں، کیونکہ افراد کی خوشی، سماج کی ہم آہنگی، معاشرے کی خوش حالی، انسانیت کی فلاح اور امن عالم کی خوش نما عمارت کی بنیاد اسی پر استوار ہو سکتی ہے۔

(۳) عدل و مساوات: عدل و مساوات ایک مثالی سماج کا امتیازی عنصر اور بنیادی ستون ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی مکمل عمارت اسی ستون پر قائم ہے۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اس بات کی متقاضی ہے کہ سماج کے ہر فرد کو انسان سمجھا جائے، اس کی حیثیت عرفی کو تسلیم کیا جائے اور اس کے ساتھ مذہب ومسلک اور افکار وخیال کی بنیاد پر کسی طرح کا امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ جس سماج سے عدل وانصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس میں مذہب کی بنیاد پر امتیازی رویہ روا رکھا جاتا ہے تو وہ خانہ جنگی، بدامنی، دلخراش وتفرقہ آمیز نعروں اور پرتشدد احتجاج کی آماجگاہ بن جاتا ہے، متاثرہ ومظلوم مذہبی گروہوں کی طرف سے ردعمل کے طور پر مساوات کی جنگ شروع ہو جاتی ہے اور سماجی ہم آہنگی پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ناانصافی کی وجہ سے مضبوط مستحکم حکومتیں بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ مشہور مقولہ ہے: ''الدنیا تدوم مع العدل و الکفر ولا تدوم مع الظلم والاسلام'' (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ۔ ۱۴۶/۲۸)

یہی وجہ ہے کہ اسلام بلاتفریق مذہب سماج کے ہر فرد کی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے اور سب کو از روئے استحقاق مساوی قرار دیتا ہے اور اونچ نیچ، ذات پات، جاہلی تعصّبات اور نابرابری کی خلیج کو پاٹتے ہوئے اخوت بنو آدم کا عالم گیر تصور دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپس میں یہ نابرابری وناچاقی کیسی؟ تم تو ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ''(الحجرات/ 13) اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت (آدم وحوا علیہما السلام) سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں دنیا کے سارے انسان بحیثیت انسان برابر ہیں اور سب احترام ومساوات کے مستحق ہیں۔ مذہب اور غیر مذہب کی کوئی قید نہیں ہے۔ ذرا غور کرو، ایک یہودی عورت کا جنازہ گزر رہا تھا، اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو جاتے ہیں، صحابہ کرام کہتے ہیں: یہ تو یہودی عورت کا جنازہ ہے۔ فرمایا: ''الیست نفسا'' کیا وہ انسان نہیں تھی؟ (صحیح بخاری) انسانیت کی اس تعبیر میں نہ صرف ہم آہنگی کا پہلو مضمر ہے بلکہ اس کے بطن سے پنپتا ہے اور نمو اختیار کرتا ہے وہ برداشت اور رواداری کا رویہ ہے اور یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے ناگزیر ہے۔

عدل ومساوات ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس سے کسی کو اس کے مذہب و عقیدہ کی وجہ سے محروم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انسانوں کے خالق ومالک اور پروردگار کا صاف حکم ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ''(المائدۃ/ 8) اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے۔ عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) تنوع کا احترام اور اپنے مذاہب پر عمل: جیسا کہ گزر چکا ہے کہ وطن عزیز ہندوستان کی شناخت اور اس کا امتیاز اس کی تکثیریت اور تنوع میں وحدت و یکسانیت اور مطابقت ہے۔ تنوع و بوقلمونی خواہ مذہبی ہو یا لسانی، نسلی ہو یا جغرافیائی یا علاقائی وجہ نزاع واختلاف نہیں بلکہ کسی بھی ملک ومعاشرہ کا حسن وجمال ہیں۔ جس طرح گلہائے رنگارنگ زینت چمن کا باعث ہوتے ہیں اسی طرح شعوب وقبائل کی تفریق، مذاہب وادیان کا تنوع اور افکار ونظریات کا اختلاف وطن عزیز کی معنویت اور خوبصورتی میں اضافہ کا سبب اور پرامن مستقبل کا ضامن ہیں۔ اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری انٹونیو گوٹیرس نے بجا کہا ہے کہ انسانیت کا تنوع نقصان دہ اور پرخطر نہیں بلکہ فائدے کی چیز اور انسانیت کا اثاثہ ہے اور تمام ممالک مزید پرامن مستقبل کے لئے مشترکہ انسانیت کے جذبے کے تحت متحد ہو کر آگے بڑھیں۔ (اقوام متحدہ کی ویب سائٹ سے ماخوذ، مجریہ 2/اکتوبر 2023ء)

اس سب کے باوجود یہ کس قدر افسوسناک رویہ ہے کہ کچھ عناصر ایک دوسرے کے معتقدات اور مذہبی شخصیات کو برا بھلا کہہ کر سماج کے اندر انتشار پھیلانے اور لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کر کے سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ مذموم رویہ ہے۔ اظہار

رائے کی آزادی کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی کے مذہب کے اوپر کیچڑ اچھالی جائے اور مذہبی شخصیات کی کردار کشی کی جائے۔ یہ ایسی آگ ہے جس کی لپٹ کہاں تک جاسکتی ہے، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سختی سے اس کا سدباب کرتا ہے: ''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ '' (الانعام/ 108) اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

مختلف مذاہب کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کو پاٹنے کا عمل جہاں اس بات کا متقاضی ہے کہ تنوع اور تکثیریت کا احترام کیا جائے اور مذہبی شخصیات کی شان میں گستاخی سے گریز کیا جائے، وہاں اس امر کا بھی مطالبہ کرتا ہے کہ سوسائٹی کے افراد اپنے اپنے مذاہب اور معتقدات پر مخلصانہ طور پر عمل کریں۔ ایک دوسرے کے افکار و نظریات اور وابستگیوں پر کیچڑ نہ اچھالیں کیوں کہ مذہب خواہ کوئی بھی ہو وہ اخوت و رواداری، الفت و محبت، آپسی میل جول اور امن و شانتی کی تعلیم دیتا ہے۔ سماج میں پرامن بقائے باہمی کے لئے اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل آوری ضروری ہے۔ مذہب مذہب اور مسلک مسلک کا کھیل فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے سم قاتل ہے۔ یہ قومی و ملی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو تنبیہ کی جو مذہب مذہب کھیل رہے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ دوسروں میں میخ نکالنے کے بجائے تم اپنی اپنی کتابوں پر عمل پیرا ہوجاؤ: ''قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ'' (المائدۃ/ 68) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات و انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو۔

اور اس عمل بالکتاب کی اہمیت یہ بتائی کہ: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ'' (المائدۃ/ 66) اگر یہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان کے پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے۔ ایک جماعت تو ان میں سے میانہ روش کی ہے اور باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں۔

یہی بات وطن عزیز میں بسنے والے دیگر مذاہب و ادیان کے معتقدین اور تہذیب و روایت کے حاملین کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے مذاہب و معتقدات کی حقیقی معنوں میں پیروی کریں۔ یہ سارے بکھیڑے از خود ختم ہوجائیں گے۔ ع

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستان ہمارا

(۵) مشترکات پر عمل: بلاشبہ معاشرہ میں رنگ و نسل اور قوم و قبیلہ کی بنیاد پر ہم آہنگی کا قیام تو قدرے آسان ہے لیکن افکار و نظریات اور مذہب و مسلک کی بنیاد پر ہم آہنگی کی تلاش قدرے مشکل امر ہے۔ اس مشکل ترین مرحلے میں اسلام جو رہنمائی کرتا ہے وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ فرمایا: ''قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ'' (آل عمران/ 64) آپ کہہ دیجئے کہ اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔

اس آیت کریمہ میں ہمہ قسمی سماجی ہم آہنگی کے قیام کا جامع تصور اس اصول کو قرار دیا گیا ہے کہ مشترکہ مذہبی عقائد و نظریات کی بنا پر ہم آہنگی کے قیام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی سعی کی جائے تاکہ سماج سے ہر طرح کی تفرقہ بازی، فتنہ و فساد اور شدت پسندی کا خاتمہ ہوسکے۔

(۶) بین المذاہب مکالمات اور ڈائیلاگ کا انعقاد

اس حوالے سے بین المذاہب مکالمات اور ڈائیلاگ کا انعقاد از حد ضروری ہے کیونکہ اس سے آپسی تعلقات پر جمی برف پگھلتی ہے اور ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ مختلف الخیال گروہوں، متعدد عقائد کے لوگوں اور متنوع وابستگیوں کے حامل افراد کے باہم مل بیٹھنے سے آپسی منافرت، بے اعتمادی، ایک دوسرے کے تئیں شک وشبہ اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے اور سب باہم شیر و شکر ہوکر قوم و ملت اور انسانیت کی خدمت میں اس جذبے کے ساتھ لگ جاتے ہیں کہ

ہندو مسلم سکھ عیسائی
آپس میں سب بھائی بھائی

آیئے ہم سب مل کر وطن عزیز کے اندر مختلف مذاہب کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کو مٹا کر اخوت و بھائی چارے کی روایت و ثقافت کو اور مضبوط بنیادوں پر استوار کریں اور اپنے قول و عمل اور اخلاق و کردار کے ذریعہ مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو مزید استحکام بخشیں اور سارے اختلافات کو فراموش کرکے ملک کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے اپنے اپنے حصے کی ذمہ داری نبھائیں۔ قومی تناظر میں یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت اور حالات کا سب سے بڑا تقاضہ ہے۔ ملک محفوظ رہے گا تو ہم بھی محفوظ رہیں گے۔

آ، غیریت کے پردے اک بار پھر ہٹا دیں
بچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ، اک نیا شوالا اس دیش میں بنادیں

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

قرآنی آیات کی شارح احادیث

مولانا غازی عزیر

ایسی احادیث جو قرآنی اجمال کی تفصیل وتشریح، اس کے عموم کی تخصیص، اس کے مطلب ومعنی کی تعیین اور واقعاتی پس منظر کی وضاحت کرتی ہیں۔ ان احادیث میں قرآنی آیات سے زائد مضمون پایا جاتا ہے، مثلاً:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا (النساء:۱۰۳) یعنی ''مومنوں پر مقررہ اوقات پر نماز پڑھنا فرض ہے۔'' اس آیت میں صرف مقررہ اوقات پر نماز پڑھنے کی فرضیت بیان ہوئی ہے لیکن ان مقررہ اوقات کی تفصیل وکیفیت نامعلوم ہے، اس لئے لامحالہ ان احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جن میں نماز کے اوقاف وغیرہ کی تفصیلات مذکور ہیں۔ یہ تفصیل قرآن کے احکام سے زائد کوئی چیز نہیں بلکہ اس اجمال کی شرح ہے۔

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ:۴۳، ۸۳، ۱۱۰، النساء:۷۷) یعنی ''نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو''۔ قرآن کا یہ حکم بھی مجمل ہے۔ نماز قائم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ اس کے وظائف وآداب کیا ہیں؟ اس کے اوقات کیا ہیں؟ اور اس کی کیفیت کیا ہو؟ اسی طرح زکوۃ کس پر فرض ہے؟ کس طرح، کس کو اور کتنی ادا کی جائے؟ ان سب چیزوں کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ہے۔

۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَیۡكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ (البقرہ:۱۸۳) اور وَكُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ (البقرہ:۱۸۷) میں روزہ اور سحور کے جملہ احکام ومسائل کی تفاصیل مذکور نہیں ہیں۔

۴۔ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا (آل عمران:۹۷) فَمَنۡ فَرَضَ فِیۡهِنَّ الۡحَجَّ (البقرہ:۱۹۷) وَلۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ (الحج:۲۹)

۵۔ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ (التوبہ:۴۱) اور اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ (التوبہ:۱۱۱) میں جہاد کی جزئیات کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

اس بارے میں مشہور محدث امام مروزیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے تمام اصول فرائض، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور جہاد کو پایا ہے کہ ان کی تفسیر کا جاننا یا ان کو ادا کرنا یا ان پر عمل کرنا ناممکن ہے الا یہ کہ ان کی تفسیر اور کیفیت نبی ﷺ کے ذریعہ معلوم ہو۔'' (کتاب السنۃ للمروزی، ص:۳۱ ملخصا)

لہٰذا تفاصیل کی حامل ایسی تمام احادیث کو آیت وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ (النحل:۴۴) کے تحت ''قرآنی آیات کی شارح احادیث'' کی قسم کے تحت ہی شمار کیا جائے گا۔ یہ احادیث ان احکام قرآن کی کیوں کر شارح ہیں، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ

''آیت وانزلنا الیک الذکر الخ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ مجملات قرآن کے مبین اور اس کی مشکلات کے مفسر تھے۔ آپ کا بیان اور آپ کی تفسیر صرف احادیث کی صورت ہی میں موجود ہے، لہٰذا ہر حدیث جو نماز کے بارے میں وارد ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (واقیموا الصلاۃ) کی تفسیر ہے، اسی طرح ہر حدیث جو زکوۃ کے بارے میں وارد ہے وہ ارشاد الٰہی (واتوا الزکوۃ) کا بیان اور اس کی تفسیر ہے اور ہر وہ حدیث جو روزہ کے بارے میں وارد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ثم أتموا الصیام الی اللیل کا بیان وتفسیر ہے، اور ہر وہ حدیث جو حج کے بارے میں وارد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وأتموا الحج والعمرۃ للہ بیان وتفسیر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا مجملات قرآن کا بیان اور اس کی مشکلات کی تفسیر کو قبول کرنا اور اس کے مقتضی کے بموجب عمل کرنا ہم پر واجب ہے۔ پس احادیث نبوی واجب الاخذ العمل قرار پائیں کیونکہ وہ تمام کی تمام کتاب اللہ تعالیٰ کا بیان وتفسیر ہی تو ہیں۔'' (مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ص:۲۲)

ذیل میں ''قرآنی آیات کی شارح'' بعض احادیث کی مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں حکم ہے: اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَ اَیۡدِیَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ (المائدہ:۶) یعنی ''جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔'' اس آیت میں وضو کا حکم مذکور ہے لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس بات کی قطعی صراحت نہیں کرتے کہ نماز پڑھنے سے قبل ہر نمازی وضو کرے خواہ وہ پہلے سے باوضو ہی ہو یا صرف بے وضو شخص ہی وضو کرے۔ لیکن اس بارے میں وارد حدیث اس مجمل قرآنی حکم کی یوں شرح کرتی ہے کہ باوضو شخص کے لئے تجدید وضو ضروری نہیں، لیکن کر لینا اضافی اجر کا سبب ہے۔

اس آیت کے متعلق قاضی ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

ظاهر الآية يقتضي وجوب الطهارة بعدالقيام الى الصلاة (احکام القرآن للجصاص:۲/۲۰۲)

یعنی ''اس آیت کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ جب نماز کے لئے اٹھے تو وضو کرے۔''

لیکن یہ عمومی حکم اس بارے میں وارد خبر واحد کی بنا پر خاص ہوگیا کہ اگر سو کر اٹھے، یا بے وضو ہو اور نماز کا ارادہ رکھتا ہو تو ایسی حالتوں میں وضو کرے۔ اگر پہلے سے وضو کیا ہوا ہو تو دوبارہ وضو کرنا باتفاق ائمہ اربعہ ضروری نہیں ہے۔

قاضی ابوبکرؒ نہایت صراحت کے ساتھ مزید فرماتے ہیں:

انه بمنزلة المجمل المفتقر الى البيان لايصح الاحتجاج بعمومه الخ (نفس مصدر۲/۴۰۵)

یعنی ''یہ آیت بمنزلہ مجمل ہے جو محتاج بیان ہے، اس کے عموم سے استدلال صحیح نہیں ہے۔''

۲۔ارشاد ہوتا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ:۲۳۰) یعنی ''پس اگر طلاق دے دے تو وہ عورت دوبارہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ ایک اور خاوند سے نکاح نہ کرلے۔'' اس آیت میں طلاق کے بعد عورت کے دوبارہ اسی مرد کے لئے حلال ہونے کی شرط تو مذکور ہے، لیکن اس امر کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ محض ایجاب وقبول سے ہی اس نکاح کی شرط پوری ہوجاتی ہے یا نہیں؟ مگر اس بارے میں جو حدیث وارد ہے وہ اس امر کی تعیین کرتی ہے کہ اس نکاح سے مراد زوجین کا آپس میں جنسی تعلق بھی قائم کرنا ہے چنانچہ اس قسم کے ایک واقعہ میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا: حتى يذوق عسيتلها كما ذاق الأول (صحیح البخاری مع فتح الباری۹/۳۶۲)

۳۔اسی طرح قرآن کی آیت: عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى (عبس:۱،۲) یعنی ''پیشانی پر بل ڈالے اور رخ پھیر لیا، اس بنا پر کہ اس کے پاس نابینا آیا تھا۔'' میں یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ کس نے پیشانی پر بل ڈالے اور رخ پھیر لیا؟ اور آنے والا نابینا شخص کون تھا حالانکہ حدیث نبوی میں ان چیزوں کی پوری تفصیل موجود ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نابینا صحابی (حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ) کی مداخلت پر اس ناگواری کا اظہار فرمایا تھا۔

قرآن کی آیت وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (التوبہ:۱۱۸) یعنی ''اور ان تینوں شخصوں کے معاملہ پر بھی توجہ کی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ رکھا تھا۔'' میں اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ وہ تین اشخاص کون تھے؟ کس باعث ان کا معاملہ ملتوی چھوڑ رکھا تھا؟ اور کس نے ان پر توجہ کی؟ وغیرہ۔ لیکن ان تمام چیزوں کے واقعاتی پس منظر ہمیں حدیث میں مل جاتے ہیں۔

۵۔قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ:۳۴) یعنی ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے۔'' اس آیت میں لغوی اعتبار سے کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی کہ وہ مقدار تھوڑی ہے یا زیادہ، لیکن جب حضرت عمرؓ نے یہ سوال نبی ﷺ سے کیا، تو آپ تو آپؐ نے فرمایا: ما بلغ أن تؤدى زكوته فليس بكنز (سنن ابی داؤد مع عون المعبود۲/۴) یعنی ''جس مال کی زکوۃ ادا کردی جائے وہ کنز شمار نہیں ہوگا۔'' ایک اور حدیث میں یہ بات یوں مروی ہے۔ ان الله لم يفرض الزكوة الا ليطيب بها ما بقى من أموالكم (نفس مصدر۲/۵۰، المستدرک للحاکم۴/۳۳۳، وصححہ الذہبی)

ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (الانفال:۷) یعنی ''اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور ان کافروں کی بنیادوں کو کاٹ ڈالے۔ اس آیت میں غزوہ بدر کی طرف اشارہ ہے لیکن اس بارے میں مفصل معلومات حدیث ہی میں مذکور ہیں۔

۷۔(النساء:۱۱) یعنی ''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر'' لیکن حدیث میں احکام وراثت کے بارے میں یہ مزید وضاحت ملتی ہے کہ اختلاف مذہب اور قتل موانع ارث میں سے ہیں چنانچہ ارشاد نبوی ہے: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم (صحیح البخاری مع فتح الباری۱۲/۵۰) یعنی ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔'' اسی طرح باپ کا قاتل بھی میراث کا حقدار نہیں ہے: لا ميراث لقاتل

۸۔وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (المائدہ:۳۸) یعنی ''جو مرد اور عورت چوری کرے ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے۔'' اس آیت میں قطع ید کا حکم عام ہے لیکن کتنی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے؟ اور کس قدر کاٹا جائے؟ اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، لیکن حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نے اس عام حکم کی یوں تخصیص وتحدید کردی ہے: تقطع يدالسارق فى ربع دينار فصاعدا (صحیح البخاری مع فتح الباری۱۲/۹۶، سنن ابی داؤد مع عون المعبود۳/۸۴، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی

۲/۳۳۰، الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب ص۱۴وغیرہ) یعنی ''چور کا ہاتھ ربع دینار یا اس سے زیادہ مالیت کی چوری پر کاٹا جائے۔'' اسی طرح حقیقی مفسر قرآن آں علیہ السلام نے مطلق ''ہاتھ'' کو دائیں ہاتھ کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ علامہ شاطبیؒ ''ید'' کے معنی اور مال مسروق کی مقدار وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: فذلك هو المعنى المراد من الآية لا أن نقول ان السنة أثبتت هذه الأحكام دون الكتاب (الموافقات ۴/۷) یعنی ''سنت کی یہ تشریح درحقیقت آیت کا مفہوم ومدعا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ سنت نے یہ احکام قرآن کے علاوہ دیئے ہیں۔''

۹۔ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ (الانشقاق:۲۱) یعنی ''پس انہیں کیا ہوگیا کہ وہ ایمان نہیں لاتے، جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔'' بظاہر یہ آیت اس امر کی متقاضی ہے کہ جب بھی قرآن کی تلاوت کی جائے تو سننے والا خواہ جنبی ہو یا بے وضو، حمام میں ہو یا مسجد میں یا کہ بازار میں، بہرحال سجدہ کرے، مگر بالاتفاق اس آیت کا یہ عمومی حکم احادیث کی بنا پر خاص ہے۔ قاضی ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

ظاهره يقتضي ايجاب السجود عند سماع سائر القرآن الا انا خصصنا منه ما عدا مواضع السجود (احکام القرآن للجصاص ص۳/۵۸۰) یعنی ''اس آیت کا ظاہر سارے قرآن کو سننے کے وقت سجدہ کو واجب قرار دیتا ہے لیکن ہم اس سے مواضع سجود کو خاص کرتے ہیں۔''

اور امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: فان هذه الآية تأمر بالسجود اذا قرئ عليه أو غيرها (مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام ۲۳/۱۵۴) یعنی ''یہ آیت سجدہ کا حکم دیتی ہے کہ جب یہ آیت پڑھی جائے یا اس کے علاوہ اور کوئی آیت پڑھی جائے۔''

پس حکم سجدہ کی اس آیت میں خبر واحد سے عمومی حکم کی تخصیص معلوم ہوئی۔

۱۰۔ (التوبہ:۳۶) یعنی ''یقیناً مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ (قمری) مہینے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے) ان میں سے چار ماہ حرام ہیں۔'' بظاہر اس آیت میں ان چار ماہ کا ذکر اجمالا آیا ہے، جن میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ قرآن کریم میں نہ تو تمام مہینوں کے نام مذکور ہیں اور نہ ہی ان حرام چار ماہ کی تفصیل موجود ہے، البتہ اس کی تفصیل احادیث میں ضرور ملتی ہے، لہٰذا وہ حدیث اس آیت کی شارح ہوئی۔

☆☆☆

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد

اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدر پور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind
A/c: 629201058685
ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

ابوحمدان اشرف فیضی، رائیدرگ

نبی ﷺ اخلاق وکردار کے بلند مقام پر فائز تھے اور آپ کا اخلاق ہر ایک کے ساتھ اعلیٰ ومثالی تھا، اپنوں کے ساتھ، غیروں کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ، اہل خانہ کے ساتھ، معصوم بچوں کے ساتھ، خادموں وغلاموں کے ساتھ، ظالموں وجاہلوں کے ساتھ، نافرمانوں وگنہگاروں کے ساتھ، سماج کے کمزوروں کے ساتھ، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متاثر تھا اور آپ کے پاکیزہ اخلاق کی گواہی دیتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے بلند اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:٤) ''اور بیشک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔'' اسی طرح امام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: كان خلقه القرآن (مسند احمد مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضى الله عنها: ٢٥١٣، صحيح الأدب المفرد: ٢٣٤، صحيح الجامع: ٤٨١١) آپ کا اخلاق قرآن تھا، آپ قرآن مجید کی عملی تصویر تھے، قرآن مجید میں جو بھی اچھے اخلاق کی باتیں ہیں ان سب پر آپ کا عمل تھا اور جو برے اخلاق کی باتیں ہیں ان سے آپ محفوظ تھے، اسی طرح ابوعبداللہ جدلی کہتے ہیں: سألت عائشة عن خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقالت: لم يكن فاحشا، ولا متفحشا، ولا صخابا في الأسواق، ولا يجزى بالسيئة السيئة، ولكن يعفو ويصفح (سنن الترمذي: أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب: ماجاء في خلق النبي صلى الله عليه وسلم ٢٠١٦ صحيح) میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ فحش گو، بدکلامی کرنے والے اور بازار میں چیخنے والے نہیں تھے، آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ عفوودرگزر فرما دیتے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ نے دس سال آپ کی خدمت کرکے، سفر وحضر میں آپ کے قریب رہ کر آپ کے حسن اخلاق کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا: كان النبي صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقا (صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب الكنية للصبي قبل أن يولد للرجل: ٦٢٠٣) نبی ﷺ لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔ دوسری حدیث میں ہے، انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے، آپ نے ایک دن مجھے کسی کام سے بھیجا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ حالانکہ میرے دل میں یہ تھا کہ نبی ﷺ نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے میں اس کے لئے ضرور جاؤں گا۔ تو میں چلا گیا حتی کہ میں چند لڑکوں کے پاس سے گزرا، وہ بازار میں کھیل رہے تھے، پھر اچانک (میں نے دیکھا) رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے میری گدی سے مجھے پکڑ لیا، میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے پیارے انس! کیا تم وہاں گئے تھے جہاں (جانے کو) میں نے کہا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں، اے اللہ کے رسول! میں جا رہا ہوں۔

اسی طرح حدیث میں ہے: انما بعثت لأتمم صالح الأخلاق (مجمع الزوائد: ٩/١٨، رجاله رجال الصحيح، صحيح الجامع: ٢٣٤٩، صحيح الأدب المفرد: ٢٠٧) مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے افضل ومثالی مومن ہونے کا معیار حسن اخلاق بتایا ہے، ارشاد نبوی ہے: عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكمل المؤمنين ايمانا أحسنهم خلقا (سنن أبي داؤد: أول كتاب السنة، باب: الدليل على زيادة الايمان ونقصانه: ٤٦٨٢، حسن صحيح) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جوان میں سب سے بہتر اخلاق والا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: عن عبدالله بن عمر وقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خياركم أحاسنكم أخلاقا، ولم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا (سنن الترمذي: أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب: ماء في الفحش والتفحش: ١٩٧٥، صحيح) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں بہتر ہیں، نبی اکرم ﷺ بدگو اور بدزبان نہیں تھے۔ اور فرمایا: عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان من أحبكم الي وأقربكم مني مجلسا يوم القيامة أحساسنكم أخلاقا (سنن الترمذي: أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب: ما جاء في معالي الأخلاق: ٢٠١٨) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے نزدیک تم میں سے (دنیا میں) سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے

سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو تم میں بہترین اخلاق والے ہیں۔

واضح رہے کہ اخلاق حسنہ کی بہت ساری قسمیں ہیں، اخلاق حسنہ کا ایک اہم پہلو نرمی وآسانی کرنا ہے، زیر نظر مضمون میں سیرت نبوی کے اسی اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نبی ﷺ ہمارے لئے زندگی کے تمام شعبوں میں بہترین نمونہ وآئیڈیل ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (الأحزاب:۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہراس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ نبی ﷺ کی زندگی میں نرمی وآسانی کے کیا مظاہر ہیں اور اس سلسلے میں نبوی ارشادات کیا ہیں؟

نبی کریم ﷺ کو نرمی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ نرمی اختیار کرنے کا نبی ﷺ کو حکم دیا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء:۲۱۵) اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ، جو بھی ایمان والا ہوکر تیری تابعداری کرے۔ تفسیر میں ہے أی ارفق بهم وألن جانبك لهم (معالم التنزيل للبغوی:۶/۲۰۷) یعنی اہل ایمان کے ساتھ نرم پہلو اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا راز بیان کرتے ہوئے اس وصف کا ذکر فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران:۱۵۹) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ:۱۲۸) ''تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔'' اسی طرح سابقہ شریعتوں میں جو سختیاں تھیں ان کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسان دین دے کر مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے مقاصد کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الاعراف:۱۵۷) جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو برائی کا جواب بھلائی سے، نفرت کا جواب محبت سے، بداخلاقی کا جواب حسن اخلاق سے دینے کا حکم دیا اور بتایا کہ اس صفت سے متصف ہونا اور یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بڑی ہمت کی بات ہے اور دلوں کو فتح کرنے کا بہترین نسخہ ہے: فرمایا: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (فصلت:۳۴-۳۵) ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گا جیسے دلی دوست اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔'' نبی ﷺ پوری زندگی اس صفت سے متصف رہے اور برائی کا جواب بھلائی سے دیتے رہے، شاعر کہتا ہے۔

ظالم سے لیا ظلم کا بدلہ نہ کسی وقت
مارا بھی تو اخلاق کی تلوار سے مارا

اسی طرح حدیث میں ہے: عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم سبابا ولا فحاشا ولا لعانا، كان يقول لأحدنا عند المعتبة: ماله ترب جبينه؟ (صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب: لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا: ۶۰۳۱) انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ گالی دیتے تھے نہ بدگو تھے نہ بدخو تھے اور نہ لعنت ملامت کرتے تھے۔ اگر ہم میں سے کسی پر ناراض ہوتے تو اتنا فرماتے اسے کیا ہوگیا ہے، اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

☆☆☆

تسلیم حفاظ عالی

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وجوب اور اس کے مظاہر

انسان کے نہاں خانۂ دل میں مختلف چیزوں کی محبت پنہاں ہوتی ہے۔ کچھ محبتیں فطری ہوتی ہیں جیسے والدین، اولاد، بیوی، مال ومنال اور خواہشات کی محبت۔ اور کچھ محبتیں وہ ہیں جو شرعی طور پر مطلوب ہیں، جیسے اللہ تعالی سے محبت، نبی کریم ﷺ سے محبت اور اہل ایمان واسلام سے محبت۔ ایمان واسلام کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں اللہ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔ پھر نبی ﷺ کی محبت اس کی اولین ترجیح ہو۔ بلاشبہ حب رسول ﷺ حب الٰہی کا جزو لاینفک ہے۔ جو نبی کریم ﷺ سے محبت نہیں کرتا وہ اللہ تعالی سے محبت نہیں کرتا۔ نبی کریم ﷺ کے مومنوں پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک اہم حق آپ ﷺ سے محبت ہے۔ ایسی محبت جو تمام محبتوں پر غالب ہو۔ جو ہر مومن کے قلب وجگر کے ریشے ریشے میں اس طرح پیوست ہو کہ اللہ کی محبت کے بعد اس درجے کی محبت میں کوئی اور شریک نہ ہو۔ نہ والدین، نہ اولاد، نہ بھائی، نہ بیویاں، نہ خاندان، نہ مال ودولت، نہ تجارت وکاروبار، نہ مکانات ومحلات اور نہ دنیا کی کوئی اور ہی شے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبۃ:24) ''آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے لڑکے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے کنبے قبیلے اور تمھارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنھیں تم پسند کرتے ہو۔ اگر یہ تمھیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالی اپنا عذاب لے آئے۔ اللہ تعالی فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

دوسری جگہ اللہ تعالی نے فرمایا: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:6)

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی محبت کو دیگر تمام محبتوں حتی کہ اپنی جان کی محبت سے بھی فائق تر اور آپ ﷺ کے حکم کو اپنی تمام تر خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے۔ اس لیے مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ سے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ محبت کریں۔ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوائے میری اپنی جان کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا) جب تک میں تمھیں تمھاری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: پھر اللہ کی قسم! اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اے عمر! اب تیرا ایمان مکمل ہوا۔ (صحیح البخاری: 6632)

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا ہر صاحب ایمان پر فرض ہے۔ یہ ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں یہ باب قائم کیا ہے باب حب الرسول من الایمان،، رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ پھر اس کے بعد جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فوالذی نفسی بیدہ، لا یؤمن أحدکم، حتی أکون أحب الیه من والدہ وولدہ والناس أجمعین۔ (بخاری:15) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے نزدیک محبوب نہ بن جاؤں۔

مذکورہ بالا نصوص سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرنا واجب ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کے دعوے کے صدق وکذب کو پرکھنے کا معیار اور حبِ رسول ﷺ میں صادق اور کاذب کے درمیان تفریق کی کسوٹی کیا ہے۔ تو ہمارے لیے یہ جاننا نہایت ہی ضروری ہے اور یہ تسلیم شدہ حقیقت بھی ہے کہ بنا ثبوت کے دعوے قبول نہیں کیے جاتے۔ دعوے کی صداقت محتاج برہان ہوتی ہے۔ محض بلند بانگ دعوے کی بنیاد پر ہر کسی کی بات بنا تحقیق وثبوت کے مان لی جائے تو حق وعدل کا پیمانہ ہی الٹ کر رہ جائے گا۔ بدعات وخرافات اور غیر مسنون اعمال وافعال کی ترویج

واشاعت کرنے والے بھی محبت رسول ہی کا سہارا لیتے ہیں۔عوام کالانعام میں بدعتوں کی پذیرائی کا اصل محرک بھی یہی دعوائے محبت رسول ﷺ ہی ہے۔

اس لیے ذیل میں محبت رسول ﷺ کے دعوے کی صداقت کو معلوم کرنے کی کسوٹی اور اتباعِ رسول ﷺ پر دلالت کرنے والے بعض ایسے بنیادی شواہد ومظاہر کو حیطۂ تحریر میں لایا گیا ہے،جن کا دعویدارانِ محبت کے سلوک وسیرت اور اخلاق وکردار پر ظاہر ہونا ازحد ضروری ہے۔

آپ ﷺ کی بلاچوں وچرا اطاعت: محبت کی صداقت کی سب سے بڑی اور واضح دلیل یہ ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے اور اس کا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے۔اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا ہے۔حبِ رسول ﷺ کی صداقت کی سب سے واضح دلیل آپ ﷺ کی اطاعت واتباع ہے۔اللہ تعالی نے اتباعِ رسول ﷺ کو اپنی محبت کی دلیل قرار دی ہے۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:31) ’’کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری کرو،خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرمادیگا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت ہر اس شخص کے بارے میں فیصلہ کرنے والی ہے جو اللہ تعالی سے محبت کا دعوے دار ہے لیکن وہ طریق محمدی پر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں وہ محبت الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔اس کا دعوی اس وقت صحیح ہوگا جب وہ اپنے تمام اقوال واحوال میں شریعت محمدی اور دین نبوی کی مکمل پیروی کرے۔(تفسیر ابن کثیر:2/32)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جان لو کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اسے ترجیح دیتا ہے اور اس کی موافقت کو پسند کرتا ہے۔ورنہ وہ محبت میں سچا نہیں محض دعوے دار ہے۔پس نبی ﷺ کی محبت میں سچا وہ ہے جس پر اس کی علامت ظاہر ہو۔اور آپ ﷺ کی محبت کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اقتدا کرے،آپ کی سنت پر عمل کرے اور اپنی مشکل وآسانی اور پسند وناپسند ہر چیز میں آپ ﷺ کے طرزِ عمل کی پیروی کرے۔اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {(آل عمران:31) کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری کرو،خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرمادیگا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔(الشفا:2/16)

آپ ﷺ کے ارشادات وفرمودات اور سنتوں کو ہر رائے پر مقدم رکھا جائے: نبی ﷺ کی محبت اور آپ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے اقوال وافعال کو ہر رائے پر مقدم رکھا جائے۔لوگوں کے اقوال وآرا اور ائمہ کرام کے مذاہب کو صحیح احادیث پر مقدم کرنا آپ ﷺ کے ساتھ بہت بڑی بے ادبی ہے۔آپ ﷺ کی زندگی میں قرآن کریم نے صحابہ کرام کو یہ سخت حکم دیا تھا کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کروتو تمھاری آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔اسی طرح جب خود نبی ﷺ سے کلام کروتو نہایت وقار وسکون سے کرو۔اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ورنہ بے ادبی کی صورت میں تمھارے اعمال برباد ہوسکتے ہیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات:2) ’’اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز میں بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمھارے اعمال اکارت جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔‘‘

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے محبت وادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی احادیث کو شرح صدر کے ساتھ قبول کیا جائے۔آپ ﷺ کے ارشادات وفرمودات کو حرزِ جاں بنایا جائے اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال پر کسی کی بھی رائے کو ہرگز مقدم نہ کیا جائے۔دین میں اضافہ کرنے سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے۔بلاشبہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول ﷺ کے ساتھ ادب یہ ہے کہ امر، نہی،اور اجازت وتصرف میں آپ ﷺ سے آگے نہ بڑھا جائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ حکم صادر فرمائیں،کسی بات سے روکیں اور اجازت دے دیں۔جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: کہ اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو،۔اور یہ حکم قیامت تک باقی رہنے والا ہے،منسوخ نہیں ہوا ہے۔پس آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سنتوں سے آگے بڑھنا آپ کی زندگی میں آپ سے آگے بڑھنے کی طرح ہے۔صاحب عقل سلیم کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں۔(مدارج السالکین:2/367)

آپ ﷺ کی خیر خواہی: نبی ﷺ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ آپ کی خیر خواہی کرے۔آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرے۔آپ کی سنتوں پر خود عمل کرے اور لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی دعوت دے۔بدعات وخرافات سے خود بچے اور لوگوں کو ان سے دور کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔آپ کی حمایت ودفاع کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہے۔آپ کے لائے ہوئے دین کی نشر واشاعت اور تبلیغ میں کوشاں رہے۔آپ کے محبین ومتبعین سے محبت رکھے اور آپ

کے دشمنوں سے عداوت۔

آپ ﷺ نے فرمایا:الدين النصيحة قلنا : لمن ؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم (صحیح مسلم:55) دین خیرخواہی کا نام ہے۔ہم نے پوچھا کس کی خیرخواہی؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلموں کے امیروں کی اور عام مسلمانوں کی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول ﷺ کی خیرخواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کی تصدیق کی جائے۔آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لایا جائے۔آپ کے اوامر ونواہی پر عمل کیا جائے۔آپ کی حیات و وفات دونوں میں آپ کی نصرت وحمایت کی جائے۔آپ کے دوستوں سے دوستی اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے۔آپ کے حق کی تعظیم وتوقیر کی جائے۔آپ کے طریقے وسنت کا احیا کیا جائے۔آپ کی دعوت وشریعت کی نشرواشاعت کی جائے اور اس کا دفاع کیا جائے۔علومِ شریعت میں مہارت پیدا کی جائے۔اس کے معانی ومطالب کی فقہ وفہم حاصل کی جائے۔شریعت کی طرف لوگوں کو بلایا جائے۔اس کی تعلیم وتعلم میں رفق ونرمی کا معاملہ کیا جائے اور اس کی تعظیم وتوقیر کی جائے۔اس کی قراءت وخواندگی کے وقت ادب کا پاس ولحاظ رکھا جائے۔بغیر علم کے شریعت کے مسائل میں گفتگو سے پرہیز کیا جائے۔منسوبینِ شریعت محمدیہ کا احترام واکرام کیا جائے۔آپ ﷺ کے طور طریقے اور اخلاق وآداب کو اختیار کیا جائے۔آپ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ ﷺ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی جائے۔اور آپ ﷺ کی سنت میں بدعت ایجاد کرنے والوں اور صحابہ ﷺ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کا نشانہ بنانے والوں سے دوری اختیار کی جائے۔وغیرہ۔(شرح النووی:1/144)

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر: جس طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ سے محبت کو واجب قرار دیا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو بھی امت کے ہر فرد پر ضروری قرار دیا ہے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں، آپ کی تعظیم وتوقیر کرنے والوں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے والوں کو کامیابی وکامرانی کی خوش خبری سنائی ہے۔اللہ تعالی نے فرمایا: الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الاعراف:157) ''جولوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔سو جولوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تعظیم وحمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی کس قدر تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے وہ کسی سے مخفی نہیں۔کتب احادیث میں اس کی مثالیں بھری پڑی ہیں۔یہاں بطور استشہاد دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنا اسلام لانے کا وقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے نبی ﷺ کی ذات سے مجھ سے زیادہ کسی اور کو بغض نہ تھا۔لیکن مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مبغوض ترین شخصیت ان کے نزدیک کس قدر محبوب ترین بن گئی اور آپ ﷺ کی توقیر وتعظیم کے خالص جذبات سے وہ کس قدر سرشار ہوگئے، انھی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔وہ فرماتے ہیں: اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا اور نہ ہی آپ ﷺ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی جلیل القدر تھا۔میں آپ کی عظمت کی بنا پر آنکھ بھر کر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔مجھ سے اگر آپ کا حلیہ پوچھا جائے تو میں بیان نہیں کرسکوں گا۔کیوں کہ میں نے آپ کو آنکھیں بھر کر دیکھا ہی نہیں۔(صحیح مسلم:121)

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفیؓ نے اپنے رفقا کے پاس واپس جا کر نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے تعلقِ خاطر اور بے مثال تعظیم وتکریم کے دل کش منظر کی جس اندازِ دل ستاں میں عکاسی کی، ملاحظہ کیجیے:

اللہ کی قسم! اگر کبھی رسول اللہ ﷺ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔کسی کام کا اگر آپ ﷺ حکم دیتے تو اس کی بجا آوری میں ایک دوسرے پر لوگ سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔آپ ﷺ وضو کرنے لگتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کے وضو کے پانی پر لڑائی ہوجائے گی (یعنی ہر شخص اس پانی کو لینے کی کوشش کرتا تھا) جب آپ ﷺ گفتگو کرنے لگتے تو سب پر خاموشی چھا جاتی۔آپ ﷺ کی تعظیم کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھی فرطِ تعظیم کی وجہ سے نظر بھر کر آپ ﷺ کو دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔خیر عروہ جب اپنے ساتھیوں سے جا کر ملے تو ان سے کہا اے لوگو! قسم اللہ کی، میں بادشاہوں کے دربار میں بھی وفد لے کر گیا ہوں۔قیصر وکسریٰ اور نجاشی سب کے دربار میں۔لیکن اللہ کی قسم میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے ساتھی اس کی اس درجہ تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔قسم اللہ کی اگر محمد ﷺ نے بلغم بھی تھوک دیا تو ان کے اصحاب نے اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیا۔آپ ﷺ نے انھیں اگر کوئی حکم دیا تو ہر شخص نے اسے بجالانے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کی۔آپ ﷺ نے اگر وضو کیا تو

ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کے وضو پر لڑائی ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے جب گفتگو شروع کی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ (صحیح بخاری: 2731)

نبی ﷺ کے محبین و متبعین سے محبت اور آپ کے معاندین سے عداوت: آپ ﷺ کی سچی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اہل اسلام و ایمان سے محبت کی جائے اور آپ کے معاندین سے عناد رکھا جائے۔ کتاب و سنت کے اندر متعدد مقامات پر مومنوں کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان سے محبت رکھیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلة: 22)

''اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔ گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے کے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے۔ اور جنھیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بے شک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب ہوں گے۔''

اس لیے اہل ایمان اور محبین رسول ﷺ پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی موالات اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر، مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا عمل بھی جائز ہے۔ کیوں کہ یہ سارے معاملات، موالات سے مختلف ہیں۔ (مستفاد از تفسیر احسن البیان)

اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا بھلا کہنے والوں اور انھیں ہدفِ طعن و تشنیع بنانے والوں کو دوٹوک الفاظ میں ملعون قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من سب أصحابي، فعليه لعنة الله، والملائكة، والناس أجمعين (صحیح الجامع: 6285) جس نے میرے صحابہ کرام کو گالی دی اس پر اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

آپ ﷺ کا نام ادب و احترام کے ساتھ لینا اور آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا: مظاہر محبت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا نام نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے اور آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے۔ کتاب و سنت کے اندر آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی بڑی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

اللہ تعالی اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہو۔ (الاحزاب: 56)

جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہو اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے وہ بخیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل علي (صحیح الترمذی: 3546) بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور پھر بھی وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي (صحیح الترمذی: 3545) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

بلا شبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا آپ ﷺ کی محبت کی علامت ہے اور بہت بڑا کارِ فضل و ثواب بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا (مسلم: 384) جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امت کے ہر فرد پر آپ ﷺ کی محبت واجب ہے۔ ایسی محبت جو دنیا کی ہر شے حتی کہ اپنی جان کی محبت پر بھی غالب ہو۔ ہر صاحبِ ایمان کے دل میں آپ ﷺ کی محبت جاں گزیں ہو اور ظاہری طور پر بھی محبتِ رسول ﷺ کے آثار اس کے اعضا و جوارح پر نمایاں ہوں۔ وہ آپ ﷺ کی بلا چوں و چرا اطاعت کرے، آپ ﷺ کی سنتوں سے محبت رکھے، بدعات و خرافات سے مکمل طور پر اجتناب کرے اور آپ ﷺ کی شان میں غلو آمیزی سے دور رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مسلمانوں سے محبت رکھے اور آپ ﷺ کے دشمنوں سے عداوت۔ یقیناً وہ انسان دنیاوی اور اخروی ہر اعتبار سے خوش نصیب ہے جس کے دل میں دنیا کی ہر چیز کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت زیادہ ہو۔ اور حقیقی معنوں میں ایسا ہی دل ایمان و اسلام کی حلاوت و شیرینی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ہمیں ہر شے سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں آپ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

ابوعدنان سعید الرحمن نورالعین سنابلی

عذاب قبر کی حقیقت

دنیوی زندگی چند روزہ ہے اور اخروی زندگی دائمی ہے۔ان دونوں زندگیوں کے درمیان بھی ایک زندگی ہے جس سے ہر انسان کو گزرنا ہے۔جی ہاں، دنیوی اور اخروی زندگی کے درمیان برزخی زندگی ہے جو سابقہ دونوں زندگیوں سے مختلف ہے۔برزخی زندگی کی ابتدا انسان کے قبر میں تدفین سے ہوتی ہے اور قیامت کے قیام تک ممتد رہتی ہے۔اس زندگی میں انسان اپنے اعمال کے حساب سے نعمتوں سے محظوظ ہوتا ہے یا پھر سزا سے دوچار ہوتا ہے۔کتاب وسنت میں اس زندگی کے تعلق سے مختلف حقائق وارد ہوئے ہیں۔بلاشبہ ایک مسلمان قرآن واحادیث میں وارد ان حقائق کی تصدیق کرتا ہے اور بلا تردد وارتیاب انہیں تسلیم کرتا ہے کیونکہ ایک مسلمان کی یہی شان ہوتی ہے۔

بہت سارے لوگ عذاب قبر سے متعلق وارد حقائق کو فسانہ بنا کر ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں عذاب قبر کے تعلق سے حقائق بیان کئے گئے ہیں حالانکہ یہ احادیث اس کثرت سے وارد ہیں کہ ان کا انکار کوئی کند ذہن اور خر دماغ ہی کر سکتا ہے اور دوسری بات ہم میں سے ہر شخص بہت ساری ایسی چیزوں کے بارے میں سنتا ہے جنہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں پاتا تو کیا ہم ان چیزوں کے تعلق سے بھی یہی فارمولا استعمال کریں گے کہ چونکہ یہ چیزیں ہماری عقل میں نہیں سما رہی ہیں، اس وجہ سے ہم انہیں نہیں مانیں گے۔

نیز ایک مسلمان کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان و ایقان رکھتا ہے اور انہیں ذہن و دماغ کی کسوٹی پر نہیں پرکھتا ہے بلکہ بہت سے امور کا تعلق غیبیات سے ہے،ان چیزوں کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں وہ جس کیفیت وتفصیل کے ساتھ وارد ہوئی ہیں، انہیں من وعن تسلیم کرنا لازم و ضروری ہے اور ان امور میں ذہنی گھوڑے دوڑانا بہر صورت درست نہیں ہے کیونکہ انسان کا عقل اور اس کے سوچنے سمجھنے کا دائرہ بہت محدود ہے اور اللہ کی مخلوقات لاتعداد ہیں،اس کی صنعت وکاریگری غیر محدود ہے،اس کے کرشمے کروڑہا کروڑ ہے حتی کہ ہم دنیا میں موجود سمندر کے پانی کو سیاہی اور درختوں کو قلم بنالیں پھر بھی رب تعالیٰ کی نعمتوں کا استحصاء نہیں کر سکتے تو بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ہمارا دماغ سبھی باتوں کا ادراک کر سکے۔

عذاب قبر کے برحق ہونے کے دلائل: قرآن واحادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم چلتا ہے کہ متعدد آیات واحادیث میں عذاب قبر کا تذکرہ وارد ہے۔درج ذیل میں ایسی ہی کچھ آیتوں اور حدیثوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:''النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ''(سورہ غافر/ ۴۶) یعنی آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔

اس آیت کریمہ میں جس آگ پر پیش کئے جانے کا تذکرہ ہے،اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عالم برزخ میں یعنی اپنی قبروں میں انہیں صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا:''وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ''(التوبۃ/ ۱۰۱) یعنی اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں،آپ ان کو نہیں جانتے،ان کو ہم جانتے ہیں، ہم ان کو دوہرے سزا دیں گے، پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں جس دہری عذاب کا تذکرہ ہے،اس کے تعلق سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف سے منقول ہے کہ پہلا عذاب دنیا میں ذلت ورسوائی کی شکل میں ہوگا اور دوسرا عذاب قبر میں ابتلا وآزمائش اور عذاب وسزا کی طور پر ہوگا۔

اسی طرح بے شمار حدیثوں میں عذاب قبر کی خبر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک یہودی خاتون آئی اور اس نے عذاب قبر کا تذکرہ کیا اور کہا:اللہ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذاب قبر برحق ہے۔ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس کے بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ جب بھی آپ نے نماز پڑھی ہو مگر اس میں اللہ کے ذریعہ عذاب قبر سے پناہ نہ چاہی ہو۔(صحیح بخاری/ 1372، صحیح مسلم/ 586)

نیز عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح وشام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت والے دن اللہ تجھے بھیجے گا۔''(صحیح بخاری/ 1379، صحیح مسلم/ 2866)

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے اور اس کا انکار کرنے والا شخص کوتاہ مغز اور شرعی احکامات سے نابلد مانا جائے گا کیونکہ یہ اور جیسی متعدد حدیثوں میں عذاب قبر کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ انسان کے مرنے کے

بعد ہی عالم برزخ شروع ہوجاتا ہے اور اگر کوئی شخص اچھے اعمال انجام نہیں دیا ہوتا تو وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہوتا ہے۔

قبر کا مرحلہ سنگین ہے: قبر کا مرحلہ کس قدر سنگین ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابی قبر کو دیکھ کر زار وقطار رویا کرتا تھا، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ذوالنورین عثمان رضی اللہ عنہ کو متعدد مواقع پر جنت کا مژدہ اور خوشخبری سنائی تھی لیکن پھر بھی قبر کی سنگینی اور اس کی وحشت کو سوچ کر زار وقطار رویا کرتے تھے۔ چنانچہ ہانی مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ عُثْمَانُ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرٍ بَكَى حَتَّى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ لَهُ: تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ" قَالَ: قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ" یعنی عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبرستان پر ٹھہرتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی، ان سے کسی نے کہا کہ جب آپ کے سامنے جنت وجہنم کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہیں روتے ہیں اور قبر کو دیکھ کر اس قدر رو رہے ہیں؟ تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''آخرت کی منازل میں سے قبر پہلی منزل ہے، سو اگر کسی نے قبر کے عذاب سے نجات پائی تو اس کے بعد کے مراحل آسان ہوں گے اور اگر جسے عذاب قبر سے نجات نہ مل سکی تو اس کے بعد کے منازل سخت تر ہوں گے''۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''گھبراہٹ اور سختی کے اعتبار سے قبر کی طرح کسی اور منظر کو نہیں دیکھا''۔ (سنن ترمذی/2308، سنن ابن ماجہ/4267، شیخ البانی نے اسے صحیح ابن ماجہ میں حسن قرار دیا ہے۔)

قبر ایک بار سب کو دبوچتی ہے: قبر صاحب قبر کو ایک بار دبوچتی ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں پاتا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّ لِلْقَبْرِ ضَغْطَةً وَلَوْ كَانَ أَحَدٌ نَاجِيًا مِنْهَا نَجَا مِنْهَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ'' یعنی بیشک قبر کا ایک دباؤ ہے، اور اگر اس سے کوئی نجات پانے والا ہوتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس سے نجات پاتے۔ (مسند احمد ۶/۵۵، شیخ البانی نے صحیحہ/1695 میں کہا ہے کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث مجموع طرق وشواہد کی بنیاد پر بلا شبہ صحیح ہے۔)

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''هَذَا الَّذِي تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ'' یعنی یہ (سعد رضی اللہ عنہ) ایسا شخص ہے جس کی وفات پر (اللہ تعالیٰ کا) عرش ہل گیا تھا، اور جس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل گئے تھے اور جس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، اسے بھی قبر نے ایک مرتبہ دبایا اور پھر چھوڑ دیا۔ (سنن نسائی/2055، شیخ البانی نے صحیح نسائی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بچہ دفن کیا گیا تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَوْ أَفْلَتَ أَحَدٌ مِنْ ضَمَّةِ الْقَبْرِ لَأَفْلَتَ هَذَا الصَّبِيُّ'' یعنی اگر کوئی قبر کے دبوچنے سے بچ پاتا تو یہ بچہ بچ جاتا۔ (المعجم الکبیر ۴/۱۲۱، شیخ البانی نے صحیحہ/2164 میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔)

سابقہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر ہر انسان کو دبوچتی ہے لیکن مرد مومن کو اس سے جلدی نجات مل جاتی ہے لیکن کافر ومنافق کے لئے یہ مرحلہ بہت دشوار گزار ہوتا ہے۔ امام ابوالقاسم سعدی کہتے ہیں:

''لا ينجو من ضغطة القبر صالح ولا طالح غير ان الفرق بين المسلم والكافر فيها دوام الضغط للكافر وحصول هذه الحالة للمؤمن في اول نزوله إلى قبره ثم يعود إلى الانفساح له'' یعنی قبر کے دباؤ سے نیک وبد کوئی محفوظ نہیں رہ سکے گا، البتہ اس سلسلے میں کافر اور مسلمان کے دباؤ میں فرق یہ ہوگا کہ قبر کافر کو ہمیشہ دبوچتی رہے گی جبکہ مومن کے حق میں تدفین کے بعد پہلی مرتبہ یہ صورتحال پیش آئے گی اور پھر قبر کشادہ کردی جائے گی۔ (سنن النسائی بحاشیۃ السندی ۴/۳)

عذاب قبر جسم و روح دونوں کو ہوگا؟ عذاب قبر کے تعلق سے علمائے سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ انسان کے جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مومن اور کفار دونوں کے بارے میں صراحت موجود ہے: ''فتُعادُ روحه فيأتيه'' یعنی ان کی روحیں جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ (سنن ابوداود/4735، مسند احمد/18558، سنن نسائی/2001، سنن ابن ماجہ/1549، شیخ البانی نے صحیح ابوداود میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

اسی طرح براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ'' یعنی اس کی قبر کو اس پر تنگ کردی جاتی ہے حتی کہ اس کی پسلیاں اس میں ایک دوسرے سے پیوست ہوجاتی ہیں۔ (سابقہ حوالہ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ قبر جسم کو بھی ہوتا ہے حالانکہ ظاہری طور پر جسم سڑ گل جاتی ہے، اسے کیڑے مکوڑے کھا جاتے ہیں اور وہ ختم ہوجاتی ہے لیکن اس حدیث کی رو سے مرنے کے بعد انسان کو حاصل ہونے والی نعمتیں اور سزائیں انسانی روح کے ساتھ انسانی جسم کو حاصل ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسلافِ امت اور ائمہ کرام کا موقف ہے کہ عذاب اور نعمتیں میت کی روح اور جسم دونوں کو حاصل ہوتے ہیں، اسی طرح جب روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے پھر بھی نعمت یا عذاب میں ہوتی ہے اور بعض

اوقات روح جسم سے ملتی ہے تو دونوں کو عذاب یا نعمت حاصل ہوتی ہے۔(الاختیارات الفقہیۃ،ص:۹۴)

علامہ ابن قیم الجوزیۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تھا،انہوں نے جو جواب دیا تھا وہ مجھے یاد ہے:

اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ عذاب اور نعمتیں بدن اور روح دونوں کو ہوتی ہے روح کو بدن سے جدا ہونے کی شکل میں بھی عذاب اور نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور بدن سے متصل ہونے کی شکل میں بھی تو بدن سے روح کے متصل ہونے کی شکل میں روح کو عذاب اور نعمت کا اس حالت میں حصول دونوں کو ہوتا ہے جس طرح کہ روح کا بدن سے منفرد ہونے کی شکل میں ہے۔

ائمہ سلف کا مذہب یہ ہے کہ مرنے کے بعد میت یا تو نعمتوں میں اور یا پھر عذاب میں ہوتی ہے۔جو کہ روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے روح بدن سے جدا ہونے کے بعد یا تو نعمتوں میں اور یا عذاب میں ہوتی اور بعض اوقات بدن کے ساتھ ملتی ہے تو بدن کے ساتھ عذاب اور نعمت میں شریک ہوتی اور پھر قیامت کے دن روحوں کو جسموں میں لوٹایا جائے گا تو وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف نکل کھڑے ہوں گے جسموں کا دوبارہ اٹھنا اس میں مسلمان اور یہودی اور عیسائی سب متفق ہیں-(الروح،ص:51-52)

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمتیں یا عذاب بسا اوقات تن تنہا روحوں کو بھی حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ شہدا کے بارے میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:''إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤمِنِ طَائِرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى يبعثه الله إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ''یعنی مسلمان کی روح پرندوں کی شکل میں جنت کے درختوں پر رہتی ہیں تا آنکہ قیامت کے دن اللہ اسے اس کے جسم میں لوٹا دیں گے۔(سنن نسائی/2073،شیخ البانی نے اسے صحیح نسائی میں صحیح قرار دیا ہے۔)

کیا عذاب قبر صرف مدفون کو ہوگا؟ دنیا میں مردوں کی تدفین کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔مسلمان مردے کی نعش کو پورے عزت واحترام کے ساتھ دفن کرتا ہے جبکہ بہت سارے لوگ مردوں کی نعشوں کو جلا ڈالتے ہیں تو کچھ لوگ دریا برد کر دیتے ہیں۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا منکر نکیر کا سوال یا جنت کی نعمتیں اور سزائیں صرف ان لوگوں کو ملیں گی جنہیں دفن کیا گیا ہوگا لیکن جنہیں جلا دیا جائے، مچھلی کھا جائے، جہاز وغیرہ سے ایکسیڈنٹ میں وفات پا جائیں اور نعش کا پتا نہ چلے، یا دریا وغیرہ میں ڈوب جائیں تو انہیں ان تمام امور سے خلاصی حاصل ہو جائے گی؟

سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کمزور ایمان والوں کے ذہن ودماغ میں اس طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، ورنہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک حقیر پانی کے قطرے سے انسان کو پیدا کرسکتا ہے تو وہ راکھ یا کسی بھی صورت میں مرے ہوئے انسان کو ضرور زندہ فرما دے گا، اس کو مرنے کے بعد منکر نکیر کے سوال وجواب اور نعمت وعذاب کے مراحل سے گزار دے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیثوں میں جو وارد ہے کہ میت کی تدفین ہوتی ہے تو دو فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں، یہ اغلب احوال کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر لوگوں کو چونکہ دفن ہی کیا جاتا ہے، اس لئے رسول اکرم ﷺ سے بیان کیا گیا ہے جب میت کی تدفین ہوتی ہے تو فرشتے حاضر ہوتے ہیں، ورنہ ہر مرنے والے کے پاس منکر نکیر جاتے ہیں اور ہر مرنے والے کو اپنی نیکی اور بدی کے حساب سے عالم برزخ کی نعمتوں یا سزاؤں سے گزرنا پڑتا ہے۔ہاں، اس کی کیفیت وماہیت کیا ہوتی ہے اور کس طرح سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب سے دوچار کرتا ہے، اس کا حقیقی علم اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے۔امام ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔قبر میں عذاب اور نعمت روح اور جسم دونوں کو حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح جنت اور جہنم میں بھی نعمتیں اور سزائیں جسم اور روح دونوں کو حاصل ہوں گی لیکن جو ڈوب کر یا جل کر مرا ہو یا اسے درندوں نے کھا لیا ہو تو روح کو اسے عذاب یا نعمت مل کر رہے گی، اسی طرح جسم کا عذاب یا نعمت سمندر یا جلنے کی صورت میں یا درندوں کے پیٹ میں بھی مل کر رہے گا، لیکن کیفیت کیا ہوگی، اس کا حقیقی علم اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے۔(فتاویٰ نور علی الدرب ۴/۳۰۴)

مومن و کافر کی روحوں کو قبض کرنے کی کیفیت اور ان کے ساتھ قبر میں پیش آنے والے احوال: احادیث میں متعدد ایسی حدیثیں وارد ہیں جن میں مومن وکافر کی روحوں کو قبض کرنے کی کیفیت اور قبر کے اندر پیش آنے والے واقعات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔اس تعلق سے سب سے تفصیلی حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ہے۔یہاں اس حدیث کا ترجمہ ذکر کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے کیونکہ وہ حدیث اس باب کی سب سے جامع حدیث ہے۔براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں نکلے، ہم قبر کے قریب پہنچے تو ابھی تک لحد تیار نہیں ہوئی تھی، اس لئے نبی ﷺ بیٹھ گئے، ہم بھی آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں، نبی ﷺ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین کو کرید رہے تھے پھر سر اٹھا کر فرمایا: اللہ سے عذاب قبر سے بچنے کے لئے پناہ مانگو، دو تین مرتبہ فرمایا۔

پھر فرمایا کہ بندۂ مومن جب دنیا سے رخصتی اور سفر آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں، ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی حنوط ہوتی ہے، تا حد نگاہ وہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل چل، چنانچہ اس کی روح اس طرح بہہ کر نکل جاتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ بہہ جاتا ہے، ملک الموت اسے پکڑ لیتے ہیں اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار بھی

اس کی روح کو ملک الموت کے ساتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ ان سے لے کر اسے اس کفن میں لپیٹ کر اس پر اپنی لائی ہوئی حنوط مل دیتے ہیں اور اس کے جسم سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے مشک کا ایک خوشگوار جھونکا جو زمین پر محسوس ہو سکے۔

پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کے جس گروہ پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے، وہ گروہ پوچھتا ہے کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ وہ جواب میں اس کا وہ بہترین نام بتاتے ہیں جس سے دنیا میں لوگ اسے پکارتے تھے حتی کہ وہ اسے لے کر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے جاتے ہیں، اور دروازے کھلواتے ہیں، جب دروازے کھلتا ہے تو ہر آسمان کے فرشتے اس کی مشایعت کرتے ہیں اور اگلے آسمان تک اسے چھوڑ کر آتے ہیں اور اس طرح وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نامۂ اعمال علیین میں لکھ دو اور اسے واپس زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو زمین کی مٹی ہی سے پیدا کیا ہے، اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ﷺ ہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا علم کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، اس پر آسمان سے ایک منادی پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت کا بستر بچھا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ اسے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور تا حد نگاہ اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے اور اس کے پاس ایک خوبصورت چہرے، خوبصورت لباس اور انتہائی خوشبو والا ایک آدمی آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تمہیں خوش خبری مبارک ہو، یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ کہ تمہارا چہرہ ہی خیر کا پتہ دیتا ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں، اس پر وہ کہتا ہے کہ پروردگار! قیامت ابھی قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل خانہ اور مال میں واپس لوٹ جاؤں۔

اور جب کوئی کافر شخص دنیا سے رخصتی اور سفر آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اتر کر آتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، وہ تا حد نگاہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اے نفسِ خبیثہ! اللہ کی ناراضگی اور غصے کی طرف چل، یہ سن کر اس کی روح جسم میں دوڑنے لگتی ہے اور ملک الموت اسے جسم سے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گیلی اون سے سیخ کھینچی جاتی ہے اور اسے پکڑ لیتے ہیں، فرشتے ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی اسے ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے اور اس ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اور اس سے مردار کی بدبو جیسا ایک ناخوشگوار اور بدبودار جھونکا آتا ہے۔

پھر وہ اسے لے کر اوپر چڑھتے ہیں، فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے، وہی گروہ کہتا ہے کہ یہ کیسی خبیث روح ہے؟ وہ اس کا دنیا میں لیا جانے والا بدترین نام بتاتے ہیں، یہاں تک کہ اسے لے کر آسمانِ دنیا پر پہنچ جاتے ہیں، دروازے کھلواتے ہیں لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ''(سورۃ الاعراف/40) یعنی ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا نامہ؟ اعمال سجین میں سب سے نچلی زمین میں لکھ دو، چنانچہ اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ''(سورۃ الحج/31) یعنی جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، وہ ایسے ہے جیسے آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیں یا ہوا اسے دور دراز کی جگہ میں لے جا ڈالے۔

پھر اس کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: ہائے افسوس! مجھے کچھ پتہ نہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ پھر وہی جواب دیتا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ وہ کون شخص تھا جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ پھر وہی جواب دیتا ہے، اور آسمان سے ایک منادی پکارتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے، اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو، اور جہنم کا ایک دروازہ اس کے لئے کھول دو، چنانچہ وہاں کی گرمی اور لو اسے پہنچنے لگتی ہے، اور اس پر قبر تنگ ہو جاتی ہے حتی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کے پاس ایک بدصورت آدمی گندے کپڑے پہن کر آتا ہے جس سے بدبو آ رہی ہوتی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھے خوشخبری مبارک ہو، یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ کہ تیرے چہرے ہی سے شر کی خبر معلوم ہوتی ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں، وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔ (سنن ابوداود/3212، سنن ابن ماجہ/1548، سنن نسائی ۴/۷۸، مسند احمد/18733، الفاظ روایت مسند احمد کے ہیں، شیخ البانی نے صحیح ابوداود میں اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے تخریج شرح طحاویہ/573 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے بہت تفصیل کے ساتھ نیک و بد کی روحوں کو قبض کرنے کی منظر کشی کی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیک انسان جہاں قبر میں رب تعالیٰ کی نعمتوں سے محظوظ ہوتا ہے، وہیں منافق اور کافر انسان قبر میں عذاب اور سزا کا شکار ہوتا ہے۔ درج میں مزید چند حدیثیں پیش کی جارہی ہیں جن میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پر کچھ اضافہ موجود ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سنن ابوداود میں موجود ہے اور اس میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ کافر شخص کی قبر میں ایک فرشتہ متعین کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر اس پر ایک اندھا گونگا (فرشتہ) مقرر کردیا جاتا ہے، اس کے ساتھ لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر وہ اسے کسی پہاڑ پر بھی مارے تو وہ بھی خاک ہوجائے، چنانچہ وہ اسے اس کی ایک ضرب لگاتا ہے جس کو مشرق ومغرب کے درمیان کی ساری مخلوق سوائے آدمی وجن کے سنتی ہے اور وہ مٹی ہوجاتا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "پھر اس میں روح لوٹادی جاتی ہے۔ (سنن ابوداود ۴۷۵۳، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی دفن سے فارغ ہو کر واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: تو اس شخص محمد ﷺ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ اگر وہ جواب دے: میں گواہی دیتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اسے کہا جاتا ہے: تو اپنے دوزخی مقام کو دیکھ، اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں ٹھکانا دیا ہے۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ دونوں مقامات کو دیکھتا ہے۔ لیکن کافر یا منافق کا یہ جواب ہوتا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا، جو دوسرے لوگ کہتے تھے وہی میں کہہ دیتا تھا، پھر اس سے کہا جاتا ہے: تو نے عقل سے کام لیا نہ انبیاء کی پیروی کی، پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ایک ضرب لگائی جاتی ہے کہ وہ چیخ اٹھتا ہے۔ اس کی چیخ پکار جن وانس کے علاوہ اس کے آس پاس کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ (صحیح بخاری/1383، صحیح مسلم/2897)

اس حدیث میں سابقہ حدیث میں موجود باتوں کے علاوہ یہ بتایا گیا ہے کہ مردے اپنے ساتھیوں کے قدموں کی آہٹ سنتے ہیں۔ نیز اس حدیث کی رو سے کافر انسان کے کانوں کے درمیان ہتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے جس سے وہ دہاڑے مارتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میت کو یا تم میں سے کسی کو دفنا دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالے رنگ کی نیلی آنکھ والے دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ اور وہ دونوں پوچھتے ہیں: تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ وہ (میت) کہتا ہے: وہی جو وہ خود کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر اس کی قبر طول وعرض میں ستر ستر گز کشادہ کردی جاتی ہے، پھر اس میں روشنی کردی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے: سوجا، وہ کہتا ہے: مجھے میرے گھر والوں کے پاس واپس پہنچا دو کہ میں انہیں یہ بتاسکوں، تو وہ دونوں کہتے ہیں: تو سوجا اس دلہن کی طرح جسے صرف وہی جگاتا ہے جو اس کے گھر والوں میں اسے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی اس خواب گاہ سے اٹھائے، اور اگر وہ منافق ہے، تو کہتا ہے: میں لوگوں کو جو کہتے سنتا تھا، وہی میں بھی کہتا تھا اور مجھے کچھ نہیں معلوم۔ تو وہ دونوں اس سے کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر زمین سے کہا جاتا ہے: تو اسے دبوچ لے تو وہ اسے دبوچ لیتی ہے اور پھر اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی اس خواب گاہ سے اٹھائے"۔ (سنن ترمذی/1017، شیخ البانی نے سلسلہ صحیحہ/1391 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔)

اس حدیث میں بھی سابقہ حدیثوں میں موجود باتوں کے علاوہ مزید کچھ باتیں بتائی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر منکر نکیر کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ کالے رنگ کے نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں۔ نیز اس روایت کی رو سے نیک انسان کی قبر طول وعرض میں ستر ستر گز کشادہ کردی جاتی ہے اور اس میں روشنی بھی کردی جاتی ہے اور اس روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نیک انسان کو سونے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں کافر اور منافق انسان قیامت تک عذاب قبر میں مبتلا رہے گا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِذَا دَخَلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتِ الشَّمْسُ لَهُ عِنْدَ غُرُوبِهَا، فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ، وَيَقُولُ: دَعُونِي أُصَلِّي" یعنی جب مردہ قبر میں جاتا ہے تو اسے ایسا لگتا ہے کہ سورج ڈوبنے کا وقت قریب ہے، وہ بیٹھتا ہے اپنی دونوں آنکھوں کو ملتے ہوئے، اور کہتا ہے: مجھے نماز پڑھنے کے لیے چھوڑ دو۔ (سنن ابن ماجہ/2472، شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منکر نکیر جس وقت قبر میں داخل ہوتے ہیں تو قبر میں ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا سورج ڈوبنے والا ہو اور مردہ شخص کی صلاۃ عصر فوت ہونے والی ہو، اس لئے جو دنیا میں نمازی ہوتا ہے وہ نماز پڑھنے کی اجازت چاہتا ہے لیکن فرشتے بتاتے ہیں کہ اب اعمال کا سلسلہ بند ہوچکا ہے۔ اب تمہارے اعمال کے حساب سے تمہیں اجر وثواب یا گناہ ملنے والا ہے۔

یہ رہے برزخی زندگی کے تعلق سے چند چشم کشا حقائق جنہیں لکھنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ہماری دنیوی زندگی میں سدھار ہو، ہم نیکیوں کے خوگر بنیں، قرآن وحدیث کے مطابق اپنے شب وروز کو ڈھالیں اور اللہ ورسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں سے کبھی برگشتہ نہ ہوں اور نہ کبھی ان سے انحراف کریں بلکہ ہم اپنے آپ کو برائیوں سے خود کو بچائیں۔ نیز برزخی زندگی کے تعلق سے بہت ساری غلط فہمیاں ہمارے سماج ومعاشرہ میں پائی جاتی ہیں، اس تحریر سے مقصد یہ بھی ہے کہ صحیح حقائق کو قارئین کی نذر کی جائے تاکہ وہ صحیح حقائق سے روشناس ہوسکیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

ترتیب قرآن اور سورہ فاتحہ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

انبیائے کرام کا اسوہ: پھر سورہ فاتحہ کی افتتاحی خصوصیت کس طرح نمایاں ہوجاتی ہے، جب قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اپنے اعمال مہمہ کو ہمیشہ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت سے شروع کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر قدم رکھا تو فرمایا "بسم الله مجرها ومرسها "حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو خط لکھا تو اسی سے شروع کیا "بسم الله الرحمن الرحيم" اور احادیث کی بکثرت تصریحات سے یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں کو اسی اولین آیت فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔

پس ان آیات سے واضح ہوا کہ یہ سورت ہر لحاظ سے "فاتح" ہے اور فاتحیت وابتدا ہر حیثیت سے اسی کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نام "فاتحہ" قرار دیا۔

"مکی" اور "مدنی" سورتیں: البتہ ان تاریخی حقیقت کو کہ جس طرح ترتیب "الکتاب" میں یہ سورت پہلی ہے، اسی طرح ترتیب درس ونزول میں بھی پہلی ہے، کسی قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ ساتھ ہوجانا چاہیے۔

تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم تیئس سال کے عرصے میں جستہ جستہ نازل ہوا ہے۔ تاریخ نزول قرآن میں اس زمانے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلا حصہ ابتدائی زمانے کا ہے جو ہجرت پر ختم ہوجاتا ہے اور "عہد مکی" کہلاتا ہے۔ دوسرا دور ہجرت مدینہ سے شروع ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے تک قائم رہتا ہے۔ اسے "مدنی" کہتے ہیں۔ پس قرآن حکیم کی جو سورتیں پہلے یعنی ابتدائی عہد میں نازل ہوئیں، تو انھیں "مکی" کے نام سے پکارتے ہیں اور جو آخری عہد میں نازل ہوئی ہیں، وہ "مدنی" ہیں۔ "مکی" اور "مدنی" سے مقصود محض ان سورتوں کے نزول کا وطن نہیں بلکہ ہجرت سے پہلے اور بعد کے دو عہدوں میں سے کسی ایک عہد کا ہونا ہے۔

بہترین تقسیم: انبیائے کرام علیہم السلام کے اعمال اجتماعیہ کا پہلا دور دعوت وتبلیغ کا ہوتا ہے۔ دوسرا وسطی، ہجرت کا، تیسرا فیصلہ حق وباطل اور ظہور امر الٰہی کا۔ پس چونکہ ہجرت نبوی پر پہلا دور ختم ہوکر نیا دور شروع ہوتا تھا، اس لئے وحی الٰہی کی تاریخ کو بھی انھیں دو بڑے دوروں میں تقسیم کر کے محفوظ رکھا گیا اور فی الحقیقت تاریخ نزول کے لئے اس سے بہتر تقسیم عہد ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے فن نے فیصلہ کر دیا، مدنی سورتوں سے مراد یہ نہیں کہ سرزمین مدینہ ہی میں نازل ہوئی ہوں بلکہ ہجرت کے بعد جو سورتیں اتریں، وہ سب کی سب مدنی ہیں۔ اگر فتح مکہ کے بعد اثنائے قیام مکہ میں بھی کوئی آیت اتری ہے تو وہ بھی اپنے عہد کے لحاظ سے "مدنی" ہی ہے، اگرچہ سرزمین مدینہ میں نہیں اتری۔

سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی: پس سورہ فاتحہ کے متعلق پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی، یعنی پہلے عہد میں نازل ہوئی ہے یا دوسرے عہد میں؟ اس کا جواب خود قرآن حکیم میں موجود ہے۔ سورہ حجر میں جو بالاتفاق مکی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے متعلق خود فرمایا ہے کہ وہ نازل ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر:۸۷) (اور بلاشبہ ہم نے تجھے سات چیزیں دیں، بار بار دہرائی جانے والی اور قرآن عظیم)

احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ جنھیں آگے چل کر تم پڑھوگے، بتلاتے ہیں کہ اس آیت میں "سات چیزوں" سے مراد سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور "مثانی" اس کا وصف ہے کہ وہ ہر روز نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے اور مومن اسے بار بار دہرانے سے کبھی نہیں تھکتا۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ سورہ فاتحہ قطعاً مکی ہے، کیونکہ اگر مکہ میں سورہ حجر سے پہلے نازل نہ ہو چکی تھی تو خدائے تعالیٰ نے اس کا ذکر سورہ حجر میں کیوں فرمایا؟

صحابہ وتابعین اور مفسرین: چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس، ابو میسرہ، حسن، قتادہ، ابوالعالیہ وغیرہ کبار صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی اس کی تصریح کی ہے:

عن علی علیہ السلام قال نزلت فاتحة الكتاب بمكه (اسباب النزول للواحدی ص۱۲)

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں اتری۔

بالعموم تمام علماء ومفسرین ومحققین کی جماعت اسی طرف گئی ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے "اتقان" میں لکھا ہے:

الاكثرون على انها مكيه بل ورد انها اول مانزل (ص:۲۴)

اکثر اس پر ہیں کہ یہ مکی ہے بلکہ یہ بھی آیا ہے کہ یہی سب سے پہلے اتری۔

متقدمین ومتاخرین میں امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ جیسے ائمہ تفسیر بالحدیث کا بھی یہی مذہب ہے اور ان دونوں کے بعد کسی اور قال وقیل، قیاس ورائے کی طرف اعتنا کرنے کی ضرورت نہیں۔

مدنی ہونے کے دلائل: لیکن بحث کو صاف کر دینے کے لئے بہتر ہوگا کہ جن لوگوں کو سورہ فاتحہ کے مدنی ہونے کا خیال ہوا ان کے دلائل پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ بعض صحابہ وتابعین کے متعلق مفسرین نے تصریح کر دی ہے، وہ سورہ فاتحہ کو مدنی قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقیل مدنیه قاله ابوهریرة ومجاهد و عطا بن یسار والزهری۔اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے۔ یہ قول ابو ہریرہؓ، مجاہد، عطا اور زہری رحمہم اللہ کا ہے۔

سعی تطبیق: ہمارے مفسرین متاخرین اس اختلاف سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے دونوں قولوں کو جمع کرنے کی کوشش کی اور یہ قیاس کر لیا کہ سورہ فاتحہ دومرتبہ نازل ہوئی ہوگی۔ ایک بار مکہ میں جب نماز فرض ہوئی اور ایک دفعہ مدینہ میں جب قبلہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قرار پایا۔ بلاشبہ یہ تطبیق کی عمدہ صورت تھی اور یہ بات بھی کچھ عجیب نہیں کہ سورہ فاتحہ دومرتبہ نازل ہوئی ہو، کیونکہ سعادت انسانی کا پہلا سبق بھی وہی ہے اور آخری بھی وہی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا کوئی ثبوت ہمارے سامنے نہیں۔ کسی صحابی اور تابعی نے اس کی تصریح نہیں کی اور محض قیاسات کی بناپر ہم نزول قرآن کی تاریخ قرار نہیں دے سکتے۔

بعضوں نے کہا کہ سورہ فاتحہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی۔ نصف مکہ میں اتری ہے اور نصف مدینہ میں، مگر وہ یہ بھول گئے کہ سورہ حجر مکہ میں اتری ہے اور اس میں سورہ فاتحہ کی ساڑھے تین آیتوں کی جگہ سات آیتوں کا ذکر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تطبیق اختلاف کے لئے ان تکلفات کی ضرورت ہی نہیں۔ تھوڑے سے غور کے بعد بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ مدنی ہونے کی روایات میں کوئی قوت ایسی نہیں کہ انھیں ایک مستقل مذہب قرار دے کر بحث کی جائے۔

اصل روایت کامعاملہ: سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے بھی کسی نے اسے مدنی قرار دیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کے مکی ہونے کے متعلق حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے اجلہ صحابہ ومفسرین کی تصریحات موجود ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ اور ابن عطیہؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا نام لکھا ہے۔ اول تو تفسیر قرآن کے بارے میں یہ مقابلہ حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ کے ان کے قول کو زیادہ وزنی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ثانیاً یہ بھی مشتبہ ہے کہ واقعی ابو ہریرہؓ کا یہ مذہب تھا بھی یا نہیں۔ دراصل یہ رائے تابعین میں سے حضرت مجاہدؒ کی ہے اور انھیں سے زیادہ تر مشہور ہوئی۔ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، جسے طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے: عن مجاهد عن ابوهریرة ان ابلیس رن حین انزلت فاتحة الکتاب وانزلت بالمدینة (اتقان ص: ۲۵)

مجاہدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ شیطان چیخ اٹھا۔ جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی اور وہ مدینہ میں اتری۔

لیکن حافظ سیوطیؒ اتقان میں لکھتے ہیں: ویحتمل ان الجملة الآخرة مدرجة من قول مجاهد (ص ۲۵)

اور اس کا احتمال ہے کہ آخری جملہ مجاہد کے قول سے داخل روایت ہوگیا ہو۔ یعنی بہت ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول صرف اسی قدر ہو کہ ان ابلیس رن اور آخر میں اتنا ٹکڑا کہ وہ مدینہ میں اتری خود مجاہد کی جانب سے ہو۔

مکی ہونے کاقطعی ثبوت: رہا یہ امر کہ حضرت مجاہد کا مذہب ایسا کیوں تھا؟ لیکن جب صحابہ کا مذہب ہمیں معلوم ہوگیا ہے تو یہ امر چنداں لائق اعتنا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے انھیں اس بارے میں سہو ہوگیا یا کسی وجہ سے اشتباہ میں پڑ گئے۔ واحدی اسباب النزول میں مجاہد کی رائے نقل کر کے لکھتے ہیں:

قال الحسین بن الفضل لکل عالم هفوة هذه بادرة عن مجاهد لانه تفرد سهوا القول والعلما علی خلافه ومما یقطع به انها مکیه قوله تعالی وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِی ...الخ (ص ۱۳)

حسین بن الفضل نے کہا کہ ہر عالم کے اقوال میں ایک نہ ایک بات لغو ہوتی ہے اور مجاہد کا یہ قول بھی ایسا ہی ہے اور ان کی ذات سے ایسی غلطی کا ہونا تعجب انگیز ہے۔ علماء اس کے خلاف کہتے ہیں تنہا انھی کی یہ رائے ہے۔ سورہ حجر میں موجود ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِی (الحجر: ۸۷) اور اس سے مراد فاتحہ ہے۔ پس قطعی طور پر اس کا مکی ہونا ثابت ہوگیا۔

امام واحدی کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سورہ فاتحہ کے مدنی ہونے کی نسبت صرف مجاہد کا یہ مذہب ہے کیونکہ حسین بن الفضل نے ’’تفرد به‘‘ کا لفظ کہا ہے۔ پس یہ کہنا کہ اس بارے میں دو مذہب ہیں کسی طرح صحیح نہیں۔ تمام صحابہ وعلما کا مذہب ایک ہی ہے اور وہ یہی ہے کہ سورہ فاتحہ مکی ہے۔ صرف ایک شخص یعنی حضرت مجاہد کا قول خلاف ہے۔ بعض اور نام بھی اگر ہمارے سامنے آجاتے ہیں تو وہ غالباً انھیں کے قول سے متاثر ہوئے ہیں۔

پہلی وحی: اب اس کے بعد دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ مکی سورتوں میں بھی سب سے پہلی سورت کون سی ہے؟ سورۃ فاتحہ جسے پہلی ہونا چاہیے یا کوئی اور سورت؟ اس کے متعلق علمائے فن کے حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ امام بخاری نے بدء الوحی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل کیونکر وحی نازل ہوئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے رویائے صادقہ شروع ہوئے پھر آپ نے خلوت وگوشہ نشینی اختیار کر لی، غار حرا میں آپ اکثر جاتے اور رات بھی وہیں بسر کرتے یہاں تک کہ نور حق ظاہر ہوا۔ وجاء الملک فیه فقال: اقرا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما انا بقاری فقال: اقراء باسم ربک الذی خلق؟ اور اللہ کے فرشتے نے ظاہر ہو کر کہا اقرا یعنی پڑھ۔ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں، کیوں کر پڑھوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس نے تین بار کہا۔ آخری بار کہا: اقرا باسم ربک الذی خلق، اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔

اسی حدیث کو امام مسلم نے بھی لیا ہے نیز بہ اختلاف جزئیات الفاظ حاکم، طبرانی وبیہقی وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ اسی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی ہے وہ سورت اقراء ہے اور چونکہ امام بخاری نے کیف

کان بدء الوحی (وحی کیونکر شروع ہوئی) کا باب اسی حدیث کی بنا پر قائم کیا ہے۔اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا مذہب بھی یہی تھا۔اکثر محدثین اور علماء کا یہی مذہب ہے اور بہ کثرت تابعین وائمہ سے منقول ہے۔مجاہد اور زہری کے اقوال سیوطی نے نقل کئے ہیں۔(اتقان:۵۳)

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ''سورہ مدثر'' نازل ہوئی، امام بخاری ومسلم نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

سالت جابر بن عبدالله: ای القرآن انزل قبل؟ قال "یا ایها المدثر" قلت: او اقرا باسم ربک؟ قال: احدثکم ماحدثنا به رسول الله، قال صلی الله علیه وسلم انی جاورت بحراء فلما قضیت جواری نزلت فاستبطنت بطن الوادی، فنودیت فنظرت امامی وخلفی وعن یمینی و عن شمالی، فلم ورا احدا. میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ قرآن میں سے کونسی چیز پہلے اتری؟ کہا: ایها المدثر میں نے کہا یا اقرا باسم ربک۔ جابر نے کہا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ نے بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے غار حرا میں قیام کیا جب میرا زمانہ قیام ختم ہوا تو وہاں سے نکلا اور وادی میں سے گزرنے لگا۔ میں نے سنا کہ مجھے کوئی پکار رہا ہے۔ میں نے اپنے سامنے پیچھے داہنے بائیں نظر ڈالی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ ثم نودیت فرفعت راسی فاذا هو علی العرش فی الهوا یعنی جبریل فاخذنی رجفة فاتیت خدیجة فامرتها فدثرونی نزل الله "یا ایها المدثر قم فانذر" (مسلم)

اسی طرح تین بار آواز سنی۔ پھر میں نے اوپر سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ہوا میں ایک کرسی پر بیٹھا ہے یعنی جبریل۔ یہ دیکھ کر مجھ پر سخت اضطراب طاری ہوا۔ میں خدیجہؓ کے پاس آیا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر اللہ نے اتارا: یاایها المدثر

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نازل ہوئی۔ امام واحدی نے عکرمہ اور حسن کا قول نقل کیا ہے کہ

اول ما نزل من القرآن بسم الله الرحمن الرحیم (اسباب النزول:٦) سب سے پہلی چیز جو قرآن میں سے اتری وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

چوتھا قول: چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ امام واحدی نے ابومیسرہ سے روایت کیا ہے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آواز سنتے، جو ان کا نام لے کر پکارا کرتی تھی۔ جب آپ نے اس صدا کے جواب میں لبیک کہا تو اس نے کہا: قل الحمد لله رب العالمین حتی فرغ من فاتحة الکتاب (اسباب النزول) کہ الحمد للہ رب العالمین چنانچہ آخر تک سورہ فاتحہ اس نے پڑھ دی۔ اس کے بعد امام واحدی لکھتے ہیں۔ وهذا قول علی بن ابی طالب (اور یہ قول حضرت علی علیہ السلام کا ہے)

امام بیہقی نے بھی ''دلائل'' میں یہی روایت نقل کی ہے مگر لکھا ہے کہ حدیث مرسل ہے البتہ راوی تمام ثقہ ہیں۔ صاحب کشاف نے اس قول کو اکثر مفسرین کا مذہب لکھا ہے۔ واکثر المفسرین الی ان اول سورة نزلت فاتحة الکتاب اور اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ اتری ہے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''کشاف'' کے بیان سے انکار کیا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی روایت آغاز وحی کے خلاف ہے اور لکھا ہے کہ اکثر کا یہی مذہب ہے سب سے پہلے اقراء نازل ہوئی۔

مفسرین متاخرین اور متن حدیث: اس آخری قول کی نسبت ایک اور روایت میری نظر سے گزری ہے جو صاحب تفسیر نیشاپوری نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھی ہے: قدصح عن النبی صلی الله علیه وسلم فی حدیث ابی بن کعب انها من اول ما نزل من القرآن وانها السبع المثانی (برحاشیہ طبری ۱:۲۷) بلاشبہ ابی بن کعب کی حدیث میں آنحضرت سے یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی قرآن میں سے پہلی چیز ہے جو نازل ہوئی اور وہی السبع المثانی ہے۔

لیکن مفسر موصوف کا یہ قول ان کی ناواقفیت متن حدیث وتساہل نقل وروایت پر شاہد ہے اور اس امر کا ایک بین ثبوت ہے کہ مفسرین متاخرین کا یہ طبقہ فن حدیث سے کس قدر ناآشنا ہے اور اگر ایک شخص ان لوگوں پر اعتماد کرلے تو وہ کیسی سخت غلطیوں میں اپنے آپ کو غرق پائے گا۔

یہ عبارت پڑھ کر ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حضرت ابی ابن کعبؓ نے کوئی روایت نقل کی ہے اور اس میں صاف صاف موجود ہے کہ قرآن میں سے پہلی چیز جو اتری وہ سورہ فاتحہ ہے حالانکہ اصلیت اس کے بالکل خلاف ہے۔ تمام کتب صحاح میں حضرت ابی بن کعبؓ کی کوئی روایت ایسی نہیں جس میں یہ موجود ہو کہ انها اول ما نزل من القرآن اور نہ عام مجامع واسفار حدیث میں کوئی روایت اس مضمون کی مل سکتی ہے۔

ابی ابن کعبؓ کی روایت: بلاشبہ ابی ابن کعبؓ کی ایک مفصل روایت فضیلت فاتحہ کے متعلق موجود ہے، جسے اصحاب صحاح ومسانید نے بالاتفاق روایت کیا ہے اور جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ السبع المثانی ہے لیکن اس روایت میں یہ کہیں بھی نہیں کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلے اتری۔

اسی ایک واقعے سے اندازہ کرلینا چاہیے کہ ان مفسرین متاخرین کی روایات مندرجہ تفسیر کا کیا حال ہے۔ ان کے علاوہ عام مفسرین کے اور بھی مختلف اقوال ہیں مگر یہ مسئلہ فن حدیث کی معلومات سے تعلق رکھتا ہے اور اس بارے میں مفسرین محض کے اقوال قابل اعتنا نہیں۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی کے ناظم اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جرائد ورسائل کے پرنٹر پبلشر معروف عالم دین مولانا محمد عرفان شاکر ریاضی صاحب کا انتقال پُر ملال

دہلی: ۱۳؍نومبر ۲۰۲۳ء۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی کے ناظم، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جرائد ورسائل؛ پندرہ روزہ جریدہ ترجمان (اردو)، ماہنامہ اصلاح سماج (ہندی) ماہنامہ دی سمپل ٹروتھ (انگریزی) کے پرنٹر پبلشر، معروف دینی دانشگاہ جامعہ ریاض العلوم دہلی کے سکریٹری اور عرفان انٹرنیشنل کے پروپرائٹر مولانا محمد عرفان شاکر ریاضی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو ملک وملت اور جماعت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے کہا کہ مولانا محمد عرفان شاکر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ بڑے خلیق وملنسار، متواضع علم دوست، علماء کے قدرداں، جماعتی وملی غیرت سے سرشار، مہمان نواز اور اچھے باہمت انسان تھے۔ جماعتی وملی اور سماجی کاز سے کافی دلچسپی رکھتے تھے اور جمعیت وجماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں میں پیش پیش رہتے اور متعدد اہم ذمہ داریاں نبھاتے تھے اور جمعیت کی میٹنگوں، دعوتی تربیتی پروگراموں اور رویت ہلال کمیٹی وغیرہ کے اجلاسوں میں پابندی سے شرکت فرماتے تھے۔ میٹنگوں اور رویت ہلال کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت کا سلسلہ بیمار ہونے کے بعد بھی جاری رہا اور متعدد ذمہ داریوں کو حتی الوسع نبھایا۔ آپ کا تعلق سیتامڑھی بہار کی معروف بستی مولانگر سے تھا۔ دہلی میں اقامت پذیر تھے اور ٹورز اینڈ ٹریولز کمپنی کے مالک تھے۔ اور معاملات کی درستگی اور پیشہ وارانہ شفافیت اور ایمانداری کی وجہ سے علماء وعوام میں کافی مقبول تھے اور بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ کچھ دنوں تک دہلی سے اردو ماہنامہ گل چشم بھی نکالا تھا۔ آپ اس کے مدیر مسئول تھے۔ ادھر کافی دنوں سے کافی علیل تھے اور شوگر اور کڈنی کے مریض تھے اور تقریباً ایک سال سے ڈائیلیسس ہورہا تھا۔ کل صبح سوا گیارہ بجے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ بلاشبہ ان کا انتقال ملک وملت اور جماعت کا عظیم خسارہ ہے۔ ان کے جنازے کی نماز کل ہی دہلی کے شاہین باغ قبرستان میں دس بجے شب میں ادا کی گئی۔ جس میں علماء وعوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پسماندگان میں اہلیہ، ایک صاحب زادے عبداللہ، پانچ بیٹیاں، تین بھائی شمشاد احمد، اعجاز احمد، ڈاکٹر امتیاز احمد اور ایک بہن ہیں۔ صرف بیٹا اور ایک بیٹی کی شادی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، دینی ودعوتی، جماعتی اور تعلیمی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے تمام ذمہ داران خصوصاً ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی اور ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز اور جملہ کارکنان نے بھی مولانا عرفان شاکر ریاضی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا گو ہیں۔

نیپال میں آئے زلزلہ سے تباہی پر اظہار رنج وغم

دہلی: ۴؍نومبر ۲۰۲۳ء، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اپنی ایک پریس ریلیز میں گزشتہ شب نیپال میں آئے زلزلے سے ہوئے جان ومال کے اتلاف پر شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ پریس ریلیز میں مہلوکین کے پسماندگان نیز متاثرین سے اظہار ہمدردی کیا گیا ہے اور عوام الناس سے اپیل کی گئی ہے کہ ان مشکل حالات میں وہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں اور بلاتفریق مذہب وملت جو بھی صورت بن سکتی ہے متاثرین کی خاطر خواہ امداد کریں۔ علاوہ ازیں ملکی وعالمی امداد رساں ایجنسیوں سے بھی اپیل کی گئی ہے کہ وہ متاثرین کی مناسب امداد کے انتظامات کریں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس وقت روئے زمین خاص طور سے مشرق وسطی میں جس طرح ظلم وزیادتی اور ناحق خون بہانے کا سلسلہ جاری ہے یہ بذات خود ایک بہت بڑا سانحہ ہے جس نے پوری انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور امن وشانتی کے قیام پر یقین رکھنے والوں کو بے چین کردیا ہے۔ اسی طرح پڑوسی ملک نیپال میں آئے اندوہناک زلزلہ نے انسانیت کو ایک اور آزمائش میں مبتلا کردیا ہے یہ ہم لوگوں کے لئے انتہائی رنج وغم کا باعث ہے۔ قدرتی آفات ہوں یا انسان کی طرف سے پیدا کردہ آفت وبحران دنیائے انسانیت کو ہر طرح کے بحران وآفت کا مل جل کر حل نکالنا چاہیے اور ہر کمزور کی مدد کرنی چاہیے۔

پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ زلزلہ کی آمد سے بڑے پیمانے پر جان ومال کی تباہی قدرتی نظام کا حصہ ہے۔ اس قسم کے حادثات سے انسان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور رب ذوالجلال کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

خوشخبری خوشخبری

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا

کلینڈر 2024

جاذبِ نظر، خوشنما، ہر صفحہ اسلامی تعلیمات سے مزین، قابل دید
قرآنی آیات سے آراستہ اور اہم معلومات سے پُر کلینڈر
چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔

اپنا آرڈر پیشگی بک کرائیں۔

مکتبہ ترجمان

Ahle Hadees Manzil 4116, Urdu Bazar
Jama Masjid, Delhi-110006

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292
Ph:011-23273407,Fax:011-23246613